عقائد

کو ثابت کرنے کا

اصول

WEBSITE:
DIFAAHLESUNNAT.COM

بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

عقائد کو ثابت کرنے کا اصول

ازافادات عالیہ۔۔۔ مناظر اسلام استاد محترم حضرت **علّامہ علی شیر رحمانی** صاحب

نظرِ ثانی۔۔۔۔۔۔ الشیخ حضرت مولانا **مفتی اسد اللہ** صاحب (امام وخطیب مرکزی جامعہ مسجد صدیق اکبر رضی اللہ عنہ خیرپور)

کمپوزنگ۔۔۔۔۔۔ مسرور احمد رحمانی

ملنے کا پتہ۔۔۔ جامعہ حیدریہ انوار الھدیٰ خیرپور میرس

رابطہ۔۔۔ 03121374691

تاریخ: طبع ثانی 2025-5-5

[Website: DifaAhleSunnat.com]

فہرست

نمبر شمار	عنوان	صفحہ
1	خطبہ	4
2	قرآن مجید کے سمجھنے کا اصول	4
3	آیات محکمات	4
4	آیات متشابہات	5
5	آیات متشابہات کی دو قسمیں ہیں	5
6	دوسری قسم وہ ہے جس کی دو صنف ہیں	5
7	آیت کریمہ کا شان نزول	5
8	تفاسیر اہل سنت	7
9	آیات دو قسم کی ہیں	12
10	آیات متشابہات کی پہلی قسم	14
11	آیات متشابہات کی دوسری قسم	14
12	آیات متشابہات سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا	15
13	دوسرا ماخذ سنت	16
14	حدیث کے سمجھنے کا اصول	17
15	عبارت	22
16	نتیجہ	22
17	شیعہ مصنفین کی تحقیق کہ روایات میں بھی محکم متشابہ الفاظ ہیں	23
18	جو حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو وہ قبول کرلو اور جو کتاب اللہ کے موافق نہ ہو اسے رد کردو	24
19	خلاصہ	24
20	شیعہ محققین کی تحقیق	24
21	اصول فقہ	24

[Website: DifaAhleSunnat.com]

24	اصول تاریخ	22
27	معجزہ اور کرامت سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا	23
30	خلاصہ	24
31	نتیجہ	25
31	شعر وشاعری سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا	26
33	ایک خواب اور اس پر فتویٰ	27
34	شیعہ مناظر سے بات کرنے کا اصول	28
34	موضوع ایمانیات اور اسکی تنقیح	29
35	موضوع خلافت اور اسکی تنقیح	30
38	شرائط	31
38	موضوع کلمہ	32
39	بریلویوں سے بات کرنے کا طریقہ	33
40	موضوع علمِ غیب	34
42	موضوع بشریت رسول ﷺ اور نورانیت	35
42	ہمارا عقیدہ	36
42	موضوع مختار کل	37
43	موضوع حاضر ناضر	38
43	غیر مقلدیت سے بات کرنے کا اصول	39
44	اس دائرے کے لیے چند سوالات	40
44	موضوع تقلید	41
44	فاتحہ خلف الامام	42
45	عبارات پر بات کرنے کا طریقہ	43

خطبہ:

الحمد للہ رب العالمین والصلوۃ والسلام علی خاتم الانبیاء والمعصومین وعلیٰ الہ واصحابہ اجمعین و علیٰ عباد اللہ الصالحین

اما بعد: أَعُوذُ بِاللّٰہِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيمِ   بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

هُوَ الَّذِيْٓ اَنْزَلَ عَلَيْكَ الْكِتٰبَ مِنْهُ اٰيٰتٌ مُّحْكَمٰتٌ هُنَّ اُمُّ الْكِتٰبِ وَاُخَرُ مُتَشٰبِهٰتٌ ۭ فَاَمَّا الَّذِيْنَ فِيْ قُلُوْبِهِمْ زَيْغٌ فَيَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَهَ مِنْهُ ابْتِغَاۗءَ الْفِتْنَةِ وَابْتِغَاۗءَ تَاْوِيْلِهٖ ڤ وَمَا يَعْلَمُ تَاْوِيْلَهٗٓ اِلَّا اللّٰهُ ڤ وَالرّٰسِخُوْنَ فِي الْعِلْمِ يَقُوْلُوْنَ اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا ۚ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّآ اُولُوا الْاَلْبَابِ

ترجمہ: وہی اللہ ہے جس نے آپ پر کتاب اتاری اس میں آیات محکمات ہیں اور وہی آیات کتاب کی اصل (عقائد اخذ کرنے کی بنیاد) ہیں اور دوسری آیات متشابہات ہیں، پس وہ لوگ جن کے دلوں میں ٹیڑھاپن ہے وہ فتنہ برپا کرنے کے لیے آیات متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں اور ان آیات کی تاویل کر کے ان سے (من پسند عقائد) اخذ کرتے ہیں، حالانکہ ان کی حقیقی تاویل اللہ تعالی کے سوا کوئی نہیں جانتا اور علم میں پختگی رکھنے والے یوں کہتے ہیں کہ ہم ان سب (آیات محکمات و متشابہات) پر ایمان لاتے ہیں، یہ سب ہمارے پروردگار کی طرف سے ہیں اور نصیحت تو صرف عقل والے قبول کرتے ہیں (سورت آلعمران آیت 7)

قرآن مجید کے سمجھنے کا اصول

نوٹ: اس آیت کریمہ میں اللہ تعالی نے عقائد کو سمجھنے کے لئے ایک اصول بیان فرمایا ہے وہ اس طرح کہ قرآن مجید کی آیات دو قسم پر ہیں۔

آیات محکمات:

یعنی وہ آیات جو اپنے مطلب و مفہوم میں ایسی محکم و واضح ہیں کہ ان آیات کا ترجمہ کرنے سے ہی حقیقت سمجھ میں آجائے اور ایسی آیات کی تفسیر بھی ایسی واضح ہو کہ کوئی مفسر اس میں مختلف اقوال ذکر نہ کرے۔ مثلاً یوں نہ کہے کہ اس سے مراد یہ ہے یا یہ ہے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

آیات متشابھا:

یعنی ایسی آیات کہ سننے والے کو صرف آیت کریمہ یا صرف ترجمہ سے بات سمجھ میں نہ آسکے بلکہ اس کی تفسیر کی ضرورت ہو، اور مفسرین حضرات اس کی تفسیر کریں تو وہ بھی اس کی تفسیر میں کوئی ایک بات یقینی نہ کریں بلکہ متعدد اقوال بیان فرمائیں کہ اس سے مراد یہ ہے، یا یہ ہے اور لفظ، یا، اس وقت کہا جاتا ہے جب دوسرے معنی کا احتمال ہو۔ اور جب دوسرے معنی کا احتمال باقی ہے تو قطعی استدلال باطل ہو جاتا ہے جیسا کہ اصول ہے۔ "اذاجاءالاحتمال فبطل الاستدلال" یعنی دوسرے معنٰی کا احتمال آیا تو دلیل باطل ہو جائے گی، کیونکہ بات پکی نہ رہی۔ مثلاً: اگر کسی سے پوچھا جائے کہ دو اور دو کتنے ہوئے تو صحیح جواب یہ ہے کہ چار ہوئے، پھر اگر کوئی کہے کہ چار ہوئے یا پانچ یا چھ ہوئے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ اس کو کسی ایک جواب پر یقین نہیں ہے۔ تو اسی طرح آیات متشابہات میں بھی جب یہ کہا جاتا ہے کہ اس سے مراد یہ ہے، یا یہ ہے یعنی ایک معنی پر مفسر قرار نہیں پکڑتا اور دوسرے معنی کا احتمال بتاتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ بات پکی نہیں ہے۔ اور آیات محکمات میں دوسرے معنٰی کا احتمال ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے آیات محکمات قطعی ہوتی ہیں اور قطعی عقیدہ قطعی دلیل سے ثابت ہوتا ہے یعنی آیات محکمات سے ہی ثابت ہوتا ہے، تو اگر کوئی آیات متشابہات پڑھ کر کہے کہ اس سے مراد یہ ہے اور مفسرین حضرات نے اس کے ایک سے زیادہ معنی بتائے ہوں، اور یہ کہنے والا صرف ایک ہی مراد بتا کر عقیدہ اخذ کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "فَأَمَّا الَّذِينَ فِي قُلُوبِهِمْ زَيْغٌ" یعنی ٹیڑھا دل لوگ آیات متشابہات کے پیچھے لگتے ہیں" اور فتنہ پھیلاتے ہیں، لھذا جہاں بھی یہ بات آئی کہ اس سے مراد یہ ہے، یا یہ ہے، یا یہ ہے، تو سمجھ لو کہ قطعی عقیدہ اس سے ثابت نہیں ہو سکتا۔ یہ ایک مضبوط اصول ہے اس کے یاد رکھنے کے بعد قرآن کو سمجھنا بلکہ پورے دین کا سمجھنا آسان ہے۔

آیات متشابہات کی دو قسمیں ہیں

ایک وہ جو حروف مقطعات ہیں یعنی جن کے معنٰی و مفہوم کچھ بھی معلوم نہیں، اس لیے ہر مفسر لکھتا ہے "واللہ اعلم بمرادہ" یعنی اس کی حقیقی مراد اللہ تعالیٰ ہی جانتا ہے۔

دوسری قسم وہ ہے جس کے دو صنف ہیں

ایک وہ جس کا ترجمہ تو معلوم ہو لیکن جس ذات کی لیے وہ لفظ بولا گیا ہے وہ معنٰی اس ذات کے شایان شان نہ ہو، یعنی محکم آیات کے مخالف ہونے کی وجہ سے وہ معنی اس ذات کے لیے مناسب نہ ہو، یہ دو نوع ایک ہی قسم کی ہیں، جیسے وجہ اللہ،

ید اللہ، ساق، وغیرہ، یہ وہ آیات ہیں کہ ان میں اللہ تعالیٰ کا چہرہ، اللہ تعالی کا ہاتھ پنڈلی کا ذکر ہے لیکن ایسے معنی اللہ تعالی کی ذات کیلے مناسب نہیں ہے، اور محکم آیت کے خلاف ہے جیسا کہ اللہ تعالی نے فرمایا: "لَیْسَ کَمِثْلِهٖ شَیْءٌ" تو مذکورہ الفاظ اس محکم آیت کے خلاف ہوئے، تو ان الفاظ کا ترجمہ تو کریں گے لیکن اس کے بارے میں کہیں گے کہ جس طرح اللہ تعالی کی ذات بے مثال ہے اسی طرح اس کی ہر چیز جو اسکی طرف منسوب ہے بے مثال ہے، یہ ایک ہی قسم کی دو نوع ہیں، اور دوسری قسم یہ ہے کہ آیت کا معنی تو معلوم ہو لیکن ایک معنی نہ ہو بلکہ اس میں ایسا لفظ فرمایا گیا ہو جس میں ایک سے زیادہ معنی کا احتمال ہو۔ اگر کسی ضرورت کی وجہ سے متشابہ آیت کی تاویل کرنی پڑے تو تاویل تو کی جائے گی لیکن تاویل سے جو معنی مراد لی جائے گی وہ یقینی نہیں ہو گی جیسے ثلاثہ، قروء، اب قروء کا معنی طہر بھی ہے اور حیض بھی، اگر قرائن سے اسکا معنی متعین کیا جائے تو اسے تاویل کہا جاتا ہے تأویل کا مفہوم اور تاویل کے بارے میں اصول یہ ہے کہ مشترک المعانی لفظ کی تاویل کر کے ایک معنی کو اجتہاد سے ترجیح سے متعین کیا جائے تو اس کو مؤول کہا جاتا ہے۔

مؤول کا حکم:

اور مؤول کا حکم یہ ہے۔ "یوجب العمل بہ مع احتمال الخطاء" یعنی اس پر عمل کرنا تو لازم ہو گا مگر خطاء کے احتمال کے ساتھ، تو اس میں خطاء کا احتمال ہوتا ہے لہذا اس سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں کیا جاسکتا، کیونکہ عقیدہ یقین کو کہتے ہیں اور یقین میں دوسری طرف کا کوئی گمان نہیں ہوتا ایک ہی طرف پر یقین ہوتا ہے، تو عقیدہ یقین سے ثابت ہوتا ہے، ظن، شک، وہم سے نہیں۔

تو جب آیات متشابھات میں تأویل سے کوئی حکم لگایا جاتا ہے تو اس میں خطا کا احتمال ہوتا ہے اور خطا کے معنی کا مطلب یہ ہے کہ دوسری طرف کو باطل نہیں کہیں گے۔ اگر متشابھات کی تأویل کی ضرورت ہوتی ہے تو محکمات کو سامنے رکھ کر تاویل کی جاتی ہے، یعنی متشابھات کو محکمات کے پیچھے چلانا ہوتا ہے، اگر کوئی محکمات سے ہٹ کر ایسی تأویل کرے کہ وہ آیات محکمات کے خلاف ہو تو یہ تأویل فساد پھیلانے والی ہو گی۔

آیت کریمہ کا شان نزول

عیسائیوں نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو اللہ کا جزء یعنی بیٹا ہونا قرآن سے ثابت کرنے کی کوشش کی، انہوں نے کہا کہ قرآن میں ہے "اِنَّمَا الْمَسِیْحُ عِیْسَى ابْنُ مَرْیَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقٰىهَاۤ اِلٰى مَرْیَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ" (سورہ نساء آیت 171)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حضرت عیسیٰ بن مریم اللہ کے رسول اور اس کا کلمہ ہے جو اس نے مریم کی طرف ڈالا اور اس کی طرف سے ایک روح ہے

تفاسیر کی رو سے آیت مذکورہ کا مفہوم۔

تفاسیر اھل سنت: معارف القرآن میں کاندھلوی صاحب لکھتے ہیں کہ :

حق جل شانہ نے ان آیات میں ان کے اس شبہ کا جواب ایک عام ضابطہ و قاعدہ کی شکل میں دیا جس کے سمجھ لینے کے بعد صدہا اور ہزار ہا شبہات واشکالات ونزاعات و مناقشات کا خاتمہ ہو جاتا ہے وہ یہ کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الٰہیہ میں آیات خداوندی کی دو قسمیں ہیں پہلی قسم کی آیات محکمات ہیں، جن کی مراد واضح و متعین ہو اور بدنیت ان کے مفہوم و معانی میں الٹ پھیر کر کے اور ان آیات کے ظاہری الفاظ کو اپنی غرض پر نہ ڈھال سکتا ہو، یہ آیتیں ام الکتاب یعنی اصل کتاب کہلاتی ہیں جو کتاب و شریعت الٰہی اور تمام تعلیمات کی بنیاد ہوتی ہیں ان ہی پر دین و شریعت کا مدار ہوتا ہے جیسے آیات توحید و تنزیہ وغیرہ دوسری قسم کی آیات تشابہات ہیں جن میں ایک گونہ خفاوابہام ہوتا ہے اور مراد پوری واضح و متعین نہیں ہوتی دوسرے معنی کا بھی ان میں احتمال ہوتا ہے، ان آیات کا حکم یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیئے، جو معنی محکمات کے مطابق ہو ان کو لیا جائے اور جو معنی آیات محکمات کے خلاف ہوں ان کو نہ لیا جائے۔ بعض آیات کو حق جل شانہ نے قصداً مجمل و متشابہ نازل فرمایا ہے تاکہ بندوں کا امتحان کریں کہ کون صریح اور واضح المراد یعنی آیات محکمات کا اتباع کرتا ہے اور کون کج رو مجملات و متشابھات کو اپنی غرض پر ڈھالتا ہے اور محکمات آیات واضحات سے پہلو تہی کرتا ہے۔ ایک حکمت آیات تشابھات کے نازل کرنے میں یہ ہے کہ جب باوجود جد و جہد کے متکلم کی مراد متعین نہ کر سکیں تو اپنے قصور علم کا اقرار کریں اور بزبان حال جو ہمہ دانی کے دعوے دار بنے ہوئے تھے اس سے توبہ کریں اور جس طرح قصور علم اور قصور فہم کی وجہ سے اور دیگر بے شمار حقائق پر دسترس نہیں اسی طرح آیات تشابہات کو بھی ان کی فہرست میں شامل کر لیں مگر ایسی تاویلات سے پرہیز کریں جو آیات بینات و محکمات اور اسلام کے اصول مسلمہ کے خلاف ہوں، پس جن آیات اور عبارات سے نصارائے نجران نے استدلال کیا ہے مثلاً روح اللہ اور کلمۃ اللہ کے الفاظ سے، وہ سب کے سب اقسام تشابہات سے ہیں اور جن آیات میں حق تعالی نے حضرت عیسیٰؑ کا بندہ اور بشر ہونا صاف اور واضح طور پر بیان کیا ہے وہ آیات محکمات ہیں، پس آیات محکمات میں صاف طور پر غیر اللہ کی الوہیت وابنیت کا رد کیا گیا ہے ان سے تو آنکھیں بند کر لینا اور "کلمتہ القاھا إِلَىٰ مَرْيَمَ وَرُوحٌ مِّنْهُ" جیسی آیات تشابہات کو لے دوڑنا اور ان کی ایسی تاویل کرنا جو صریح بینات و آیات محکمات کے

[Website: DifaAhleSunnat.com]

منافی ہو، یہ کج رو اور گمراہ لوگوں کا طریق ہے کہ جو لوگوں کو فتنہ میں مبتلا کرنے اور سیدھے راستہ سے ہٹانے کے لیے ایسا کیا کرتے ہیں چنانچہ فرماتے ہیں کہ عزیز و حکیم وہی ذات ہے کہ جس نے اپنی حکمت بالغہ سے آپ پر ایک جامع و کامل کتاب اتاری جس کی کچھ آیتیں محکم ہیں یعنی ظاہر المراد اور واضح المعنیٰ ہیں جن کے معنی و مفہوم میں کسی قسم کا اشتباہ و التباس نہیں، جو شخص ان کو سنے اور زبان اور اصطلاحات شریعت سے واقف ہو، اس پر ان کا مفہوم مشتبہ نہیں رہتا، یہی آیتیں کتاب الٰہی کی بنیاد ہیں، انہیں پر ساری قرآنی تعلیم کا دارو مدار ہے اور یہی آیتیں قرآن کا مغز ہیں اور کچھ آیتیں اس کی متشابہ ہیں، جن کی مراد میں کچھ خفا و اشتباہ ہے، سامع کو باوجود زبان داں ہونے کے باوجود غور و تأمل کے اور باوجود اصول شریعت سے واقف ہونے کے ان کی پوری پوری مراد معلوم نہیں ہو سکتی، اللہ تعالیٰ عزیز و حکیم ہے بندوں کو جتنا بتلانا چاہتے ہیں، اتنی مقدار واضح فرما دیتے ہیں اور جس قدر نہیں بتلانا چاہتے، اتنی مقدار اس میں خفا و ابہام رکھ دیتے ہیں اور اس عزیز و حکیم کا حکم یہ ہے کہ جس چیز کو ہم نے ظاہر اور واضح کر دیا اس کا اتباع کرو اور کتاب الٰہی کی جو چیز تم پر مخفی و مشتبہ رہے اس پر بے چوں چرا ایمان لاؤ اور اس قسم کی آیات کی تفسیر میں اس کا پورا پورا لحاظ رکھو کہ ان آیات کے کوئی معنی ایسے ہرگز ہرگز بیان نہ کیے جائیں جو آیات محکمات اور شریعت کے اصول مسلمہ کے خلاف ہوں یعنی متشابہات کو محکمات کی طرف راجع کرو۔ امام ابو منصور رح فرماتے ہیں کہ آیت محکم کی مراد عقل سے معلوم ہوتی ہے اور آیت متشابہ میں بدون نقل اور روایت کی مدد کے دخل دینا ممکن نہیں، پس جن لوگوں کے دلوں میں کجی ہے، طبعی طور پر کسی کفر اور بدعت کی طرف مائل ہیں، نام کے مسلمان ہیں، دل میں اپنے خیالات و مزعومات چھپائے ہوئے ہیں سو یہ لوگ کتاب الٰہی میں سے صرف آیات متشابھات کی پیروی کرتے ہیں تا کہ حق و باطل کو مشتبہ بنا سکیں۔ اتباع متشابھات سے کبھی تو ان لوگوں کی غرض یہ ہوتی ہے کہ لوگوں کو الحاد و بدعت کے فتنہ میں مبتلا کریں اور لوگوں کے دلوں میں دین کے خلاف شکوک و شبہات ڈالیں اور اسی طرح مغالطہ دیکر لوگوں کو گمراہی میں پھنسائیں اور کبھی غرض یہ ہوتی ہے کہ ان آیات متشابھات کی کوئی ایسی تأویل تلاش کی جائے جو ان کی خواہش اور غرض کے مطابق ہو اور کھینچ تان کر کے آیت کا ایسا مطلب بیان کیا جائے جو ان کی رائے اور ہوائے نفسانی کے موافق ہو؛ ایسے لوگ اپنے مطلب بر آری کے لیے آیات محکمات اور احادیث واضحات کی طرف نظر نہیں کرتے اور ہوائے نفسانی کی وجہ سے آیات متشابھات کا پیچھا کرتے ہیں تا کہ ان کے خفاء اور ابھام کی وجہ سے ان میں کھینچ تان کر کے اپنا مطلب نکال سکیں اور عوام کو دھوکہ دے سکیں، حالانکہ ان متشابھات کی صحیح حقیقت اور یقینی مراد سوائے اللہ تعالیٰ کے کسی کو معلوم نہیں، اس نے اپنے لطف و کرم سے جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہا کر دیا اور جس قدر حصہ اپنی حکمت سے مخفی رکھنا چاہا وہ مخفی و مشتبہ رکھا، اور جو لوگ علم میں پختہ و ثابت قدم ہیں جب وہ آیات متشابھات کو دیکھتے ہیں کہ ان میں متعدد معانی کا احتمال ہے تو اپنی نفسانی خواہش و طبعی میلان کا ذرہ

برابر بھی لحاظ نہیں کرتے بلکہ متشابھات کو محکمات کے ساتھ ملا کر معنی بیان کرتے ہیں جتنا سمجھ میں آ گیا اس کو سمجھ گئے اور جو نہ سمجھ میں آیا اس کو اللہ پر چھوڑ دیا۔ (واللہ اعلم) معارف القرآن مولانا محمد ادریس کاندھلوی رح۔ (جلد ج 1 ص 477 تا 479)

گلدستہ تفاسیر میں اس آیت کے متعلق یوں لکھا ہے کہ: جب نصاریٰ نجران نے تمام دلائل سے عاجز ہو کر بطور معارضہ کہا تھا کہ آخر آپ حضرت مسیح علیہ السلام کو کلمۃ اللہ اور روح اللہ مانتے ہیں پس ہمارے اثبات مدعی کے لیے یہ الفاظ کافی ہیں یہاں اس کا تحقیقی جواب ایک عام اصول و ضابطہ کی صورت میں دیا جس کے سمجھ لینے کے بعد ہزاروں نزاعات و مناقشات کا خاتمہ ہو سکتا ہے اس کو یوں سمجھو کہ قرآن کریم بلکہ تمام کتب الٰہیہ میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں، ایک وہ جن کی مراد معلوم و متعین ہو خواہ اس لیے کہ لغت و ترکیب وغیرہ کے لحاظ سے الفاظ میں کوئی ابہام و اجمال نہیں نہ عبارت کئی معنیٰ کا احتمال رکھتی ہے، نہ جو مدلول سمجھا گیا وہ عام قواعد مسلمہ کے مخالف ہے یا اس لیے کہ عبارت و الفاظ میں گو لغتاً کئی معنی کا احتمال ہو سکتا تھا لیکن شارع کی نصوص مستفیضہ یا اجماع معصوم یا مذہب کے عام اصول مسلمہ سے قطعاً متعین ہو چکا کہ متکلم کی مراد وہ معنیٰ نہیں بلکہ یہ ہے ایسی آیات کو حکمات کہتے ہیں اور فی الحقیقت کتاب کی ساری تعلیمات کی جڑ اور اصل اصول یہی آیات ہوتی ہیں۔

دوسری قسم آیات کی متشابھات کہلاتی ہیں یعنی جن کی مراد معلوم و متعین کرنے میں کچھ اشتباہ و التباس واقع ہو جائے صحیح طریقہ یہ ہے کہ اس دوسری قسم کی آیات کو پہلی قسم کی طرف راجع کر کے دیکھنا چاہیے جو معنی اس کے خلاف پڑیں تو ان کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے مخالف نہ ہو اگر باوجود اجتہاد وسعی بلیغ کے متکلم کی مراد کی پوری پوری تعین نہ کر سکے تو دعوی ہمہ دانی کر کے ہم کو حد سے گزرنا نہیں چاہیے، جہاں قلت علم اور قصور استعداد کی وجہ سے بہت سے حقائق پر ہم دسترس نہیں پا سکتے اس کو بھی اسی فہرست میں شامل کر لیں مگر پوشیدہ ایسی تاویلات اور ہیر پھیر نہ کریں جو مذہب کے اصول مسلمہ اور آیات محکمات کے خلاف ہو۔

مثلاً: قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تصریح کی ہے " اِنَّ مَثَلَ عِيْسٰى عِنْدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ ۭ خَلَقَهٗ مِنْ تُرَابٍ ثُمَّ قَالَ لَهٗ كُنْ فَيَكُوْنُ " (آل عمران آیت 59) اور جابجا ان کی الوہیت و ابنیت کا رد کیا ہے اب ایک شخص ان سب محکمات سے آنکھیں بند کر کے "کلمتہ القاھا إلی مریم وروح منہ" وغیرہ متشابھات کو لے دوڑے اور اس کے وہ معنیٰ چھوڑ کر جو محکمات کے موافق ہوں ایسے سطحی معنیٰ لینے لگے جو کتاب کی عام تصریحات اور متواتر بیانات کے منافی ہوں تو یہ کجروی اور ہٹ دھری نہیں تو اور کیا ہو گی؛ بعض قاسی القلب تو چاہتے ہیں کہ اس طرح مغالطہ دیکر لوگوں کو گمراہی میں پھنسا دیں اور بعض کمزور عقیدہ والے ڈھل مل یقین ایسے

متشابھات سے اپنی رائے وہوا کے مطابق کھینچ تان کر مطلب نکالنا چاہتے ہیں حالانکہ ان کا صحیح مطلب صرف اللہ ہی کو معلوم ہے وہی اپنے کرم سے جس کو جس قدر حصہ پر آگاہ کرنا چاہے کر دیتا ہے جو لوگ مضبوط علم رکھتے ہیں وہ محکمات و متشابھات سب کو حق جانتے ہیں انہیں یقین ہے کہ دونوں قسم کی آیات ایک ہی سر چشمہ سے آئی ہیں جن میں تناقض و تہافت کا امکان نہیں اس لیے وہ متشابھات کو محکمات کی طرف لوٹا کر مطلب سمجھتے ہیں اور جو حصہ ان کی دائرہ فہم سے باہر ہوتا ہے اسے اللہ پر چھوڑتے ہیں کہ وہی بہتر جانے ہم کو ایمان سے کام۔(گلدستہ تفاسیر جلد 1 ص 565)

النکۃ والعیون تفسیر ماوردی میں اس آیت کے متعلق لکھا ہے کہ:"والثالث ان المحکم مالم یحتمل من التأویل الا وجھا واحدا المتشابہ ما احتمل اوجھا" قالہ الشافعی و محمد بن جعفر بن الزبیر النکۃ والعیون تفسیر ماوردی ص 369)

معارف القرآن میں مفتی شفیع صاحب رح رقم طراز ہیں کہ: پہلی قسم کی آیات کو اللہ تعالی نے ام الکتاب کہا، جس کا مطلب یہ ہے کہ ساری تعلیمات کا اصل اصول یہی آیات ہوتی ہیں، جن کے معانی و مفاہیم اشتباہ و التباس سے پاک ہوتے ہیں۔ اور دوسری قسم کی آیات میں چونکہ متکلم کی مراد مبہم اور غیر متعین ہوتی ہے اس لیے ان آیات کے بارے میں صحیح طریقہ یہ ہے کہ ان کو پہلی قسم کی طرف راجع کرکے دیکھنا چاہیے جو معنی ان کے خلاف پڑیں ان کی قطعاً نفی کی جائے اور متکلم کی مراد وہ سمجھی جائے جو آیات محکمات کے مخالف نہ ہو اور کوئی ایسی تاؤیل و توجیہ صحیح نہ سمجھی جائے جو اصول مسلمہ اور آیات محکمات کے خلاف ہو مثلاً قرآن حکیم نے مسیح علیہ السلام کی نسبت تصریح کر دی کہ " اِنۡ هُوَ اِلَّا عَبۡدٌ اَنۡعَمۡنَا عَلَيۡهِ" ایسے ہی دوسری جگہ ارشاد ہے "اِنَّ مَثَلَ عِيۡسٰى عِنۡدَ اللّٰهِ كَمَثَلِ اٰدَمَ‌ؕ خَلَقَهٗ مِنۡ تُرَابٍ " ان آیات اور ان کی مثل دوسری بہت سی آیات سے صاف معلوم ہوتا ہے کہ مسیح اللہ کے برگزیدہ بندے اور اس کی مخلوق ہیں لہذا نصاری کا ان کے بارے میں الوہیت وابنیت کا دعویٰ کرنا صحیح نہیں۔

(معارف القرآن از مفتی شفیع صاحب ج 2 ص 20)

بریلوی تفاسیر !علامہ غلام رسول سعیدی نے لکھا ہے: محمد بن جعفر بن زبیر نے کہا محکم وہ آیات ہیں جن کا صرف ایک معنی اور ایک محمل ہے اور اس میں کسی اور تاؤیل کی گنجائش نہیں ہے اور متشابہ وہ آیات ہیں جن میں کئی تاؤیلات کی گنجائش ہے۔

اور علامہ عبد العزیز بن احمد بخاری لکھتے ہیں: لفظ سے جس معنیٰ کا ارادہ کیا گیا ہے اگر اس میں نسخ و تبدیل ممتنع ہو تو وہ محکم ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ لفظ محکم اپنے معنیٰ کا فائدہ پہنچانے میں انتہائی واضح ہوتا ہے اور چونکہ وہ معنیٰ منسوخ نہیں ہو سکتا اس لیے اس کو

[Website: DifaAhleSunnat.com]

محکم کہتے ہیں ہمارے عام اصولیین کی یہی رائے ہے اس کی تفسیر میں اور بھی اقوال ہیں (1) جس میں صرف ایک محمل کی گنجائش ہو۔(2) عقل کے نزدیک وہ واضح ہو۔ (3) وہ ناسخ ہو۔ (4) اس کے معنیٰ کا علم اور اس کی مراد معلوم ہو (5) تمام اھل اسلام کے نزدیک اس کا معنیٰ ظاہر ہو اور کسی کا اس معنی میں اختلاف نہ ہو (6) جو فرائض اور حدود کے بیان پر مشتمل ہو (7) جو حلال و حرام کے بیان پر مشتمل ہو،، محکم کی یہ متعدد تعریفیں ہیں لیکن صحیح تعریف پہلی ہے۔

(کشف الاسرار ج1ص136 مطبوعہ دارالکتاب العربی 1411ھ)

جب کسی لفظ سے اس کی مراد مشتبہ ہو اور اس کی معرفت کا کوئی ذریعہ نہ ہو۔ حتی کہ اس کی مراد کی طلب ساقط ہو جائے اور اس کی مراد کے حق ہونے کا اعتقاد واجب ہو تو اس کو متشابہ کہتے ہیں۔(تبیان القرآن از علامہ غلام رسول سعیدی بریلوی ج2ص61)

(2) آیات محکمات وہ ہیں جو صاف معنیٰ رکھتی ہوں جس میں کوئی احتمال و اشتباہ نہیں وہ کتاب کی اصل ہیں، کہ احکام میں ان کی طرف رجوع کیا جاتا ہے اور حلال و حرام میں ان ہی پر عمل کیا جاتا ہے اور دوسری وہ ہیں جن کے معنیٰ میں اشتباہ ہے وہ چند وجوہ کا احتمال رکھتی ہیں ان میں سے کون سی وجہ مراد ہے یہ اللہ ہی جانتا ہے یا جس کو اللہ تعالیٰ اس کا علم دے۔

کنزالایمان احمد رضاخان بریلوی حاشیہ مفتی نعیم الدین بریلوی صفحہ 74

شیعہ تفاسیر: قرآن مجید میں دو قسم کی آیات پائی جاتی ہیں۔ اول محکم جن کا مطلب سمجھنے میں کوئی دقت نہیں ہوتی تمام احکام جواز قسم عبادات و معاملات باہمی ہیں وہ سب آیات محکمات کی صورت میں بیان کیے گئے ہیں جیسے۔

"اقیموا الصلوۃ و آتوا الزکوۃ" وغیرہ دوسری آیات متشابہات ہیں جن کے معنیٰ واضح نہیں اور ان کے معنیٰ میں کئی کئی پہلو نکلتے ہیں اور اصلی مفہوم سمجھنے کے لیے غور و فکر کی ضرورت پیش آتی ہے پس جن لوگوں کے دل میں کجی ہے وہ بنابر تقلید یا تعصب کوئی ایسی تاویل کرتے ہیں جو ان کے مقصد، مدعا اور عقیدہ کے مطابق ہو چونکہ اسلام میں تہتر 73 فرقے ہیں جن کے عقیدے مختلف ہیں، لہذا وہ آیات متشابھات ہی سے کام لے کر اپنا مقصد پورا کرتے ہیں اور اپنے عقیدہ کو صحیح ثابت کرنے کے لیے ایسی آیات کو پیش کرتے ہیں۔(تفسیر القرآن جلد 1 صفحہ 210 شیعوں کا سید المفسریں ادیب اعظم ظفر حسین امروھوی)

(2) محکم و متشابہ آیات سے کیا مراد ہے، لفظ محکم در اصل احکام سے لیا گیا جس کا معنیٰ ہے ممنوع قرار دینا اسی لیے پائیدار و استوار چیزوں کو محکم کہتے ہیں چونکہ نابودی و تباہی کے عوامل ان سے دور ہوتے ہیں، واضح و قطعی باتیں جو ہر مخالف احتمال کو اپنے سے دور

کر دیں بھی محکم کہلاتی ہیں اس لیے آیات محکمات سے مراد وہ آیات ہیں جن کا مفہوم اس قدر واضح ہو کہ ان کے معنیٰ میں گفتگو اور بحث و تمحیص کی گنجائش نہ ہو۔ مثلاً "قُلْ هُوَ اللّٰهُ اَحَدٌ۔ لَيْسَ كَمِثْلِهٖ شَيْءٌ۔ خَالِقُ كُلِّ شَيْءٍ لِلذَّكَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَيَيْنِ"

اور ایسی ہی دیگر ہزاروں آیات ہیں جو عقائد و احکام مواعظ اور تاریخ کے بارے میں ہیں اور سب کی سب محکمات ہیں یہ محکمات قرآن میں ام الکتاب کے نام سے موسوم ہیں یعنی یہی وہ آیات ہیں جنہیں اصل مرجع مفسر اور دیگر آیات کی وضاحت کرنے والی کہا جاسکتا ہے۔ لفظ متشابہ سے دراصل ایسی چیز مراد ہے جس کے مختلف حصے ایک دوسرے سے شباہت رکھتے ہوں اسی لیے وہ جملے و کلمات جس کے معانی پیچیدہ ہوں اور بعض اوقات ان کے بارے میں مختلف احتمالات پیدا ہو جائیں متشابہ کہلاتے ہیں متشابہات قرآن سے ایسی ہی آیات مراد ہیں یعنی وہ آیات جن کے معانی پہلی نظر میں پیچیدہ ہیں اور ابتداء میں ان میں کئی احتمالات دکھائی دیتے ہیں اگرچہ آیات محکمات کی طرف توجہ کرنے سے ان کا مفہوم واضح ہو جاتا ہے۔ (تفسیر نمونہ جلد 2 صفحہ 42)

(3) زیر بحث آیت کی تفسیر کے ضمن میں جو کچھ کہا گیا ہے اس سے معلوم ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی۔

آیات دو قسم کی ہیں۔

(1) وہ جن کا مفہوم اس طرح واضح و روشن ہے کہ ان سے کسی قسم کے انکار، ان کی توجیہ اور ان سے غلط فائدہ اٹھانے کی بالکل گنجائش نہیں ہے انہیں محکمات کہتے ہیں۔

(2) قسم کی آیات وہ ہیں جن کے مطالب کی سطح بلند ہے یا ان میں ایسے عوالم کے بارے میں گفتگو کی گئی ہے کہ جو ہماری دسترس سے باہر ہیں مثلاً عالم غیب، جہان حشر و نشر اور صفات خدا وغیرہ، ان آیات کا حقیقی معنیٰ، اسرار اور ان کی کنہ، حقیقت کا ادراک مخصوص علمی سرمائے کا محتاج ہیں انہیں متشابہات کہتے ہیں اس لیے امام علی بن موسیٰ سے منقول ہے آپ نے فرمایا: "من رد متشابه القرآن إلى محكمه هدى إلى صراط مستقيم" جو شخص آیات متشابہات کو آیات محکمات کی طرف پلٹاتا ہے اس نے سیدھے راستہ کی طرف ہدایت حاصل کی۔ (تفسیر صافی جلد 1 صفحہ 319 تفسیر نمونہ جلد 2 صفحہ 49 تا 50)

(1) محکم وہ ہے جس کا معنیٰ و مطلب بلکل ظاہر و صاف ہو، نہ اس میں کوئی اجمال ہو نہ کوئی گنجلک ہو۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور متشابہ وہ ہے جس کی مراد ظاہر نہ ہو اور مطلب واضح نہ ہو بلکہ اس کے سمجھنے کے لیے کافی غور و خوض کی ضرورت ہو۔ (2) محکم سے مراد ناسخ اور متشابہ سے مراد منسوخ ہے اور امام محمد باقر سے بھی ایک روایت میں وارد ہے کہ منسوخ آیتیں متشابہات سے ہیں۔ (3) محکم وہ ہے جس کی تأویل کا صرف ایک ہی رخ ہو اور اس سے صرف ایک ہی مطلب نکل سکتا ہو۔ اور متشابہ وہ ہے جس میں دو یا اس سے زیادہ معانی کا احتمال ہو۔ (4) محکم وہ ہے جس کی تأویل متعین کی جاسکتی ہو اور متشابہ وہ ہے جس کی تأویل کا تعین نہ ہو سکتا ہو۔ (تفسیر النجف فی اسرار المصحف جلد 3 صفحہ 225)

ایک روایت میں امام جعفر صادق سے منقول ہے کہ قرآن زاجر بھی ہے اور آمر بھی، جنت کا امر کرتا ہے اور دوزخ سے زجر کرتا ہے (یعنی قرآن ناطق ہے صامت نہیں) اس میں محکم بھی ہے اور متشابہ بھی، پس محکمات کا تعلق ایمان و عمل ہر دو سے ہے اور متشابہات کا تعلق ایمان سے ہے (کہ متکلم کا جو ارادہ ہو اس پر ایمان ہے) ان پر عمل نہیں کیا جاتا)

(تفسیر انوار النجف فی اسرار المصحف ج 3 ص 229)

نوٹ: اس آیت کریمہ سے عیسائیوں نے لفظ کلمہ اور لفظ روح سے حضرت عیسی بن مریم علیہما السلام کو اللہ کا جزء یعنی بیٹا ہونا ثابت کرنا چاہا یعنی لفظ کلمہ و روح کی تأویل کر کے بیٹا مراد لیا حالانکہ لفظ کلمہ و روح کا معنیٰ بیٹا نہیں ہے بلکہ لفظ کلمہ سے مراد کن اور لفظ روح سے مراد امر یعنی حکم ہے اور اس کے مقابلے میں حضرت عیسی علیہ السلام کا وہ کلام جو انہوں نے اپنی قوم کے سامنے کہا کہ میں اللہ کا بندہ ہوں،، اس واضح اور کھلے الفاظ کے مقابلہ میں ان عیسائیوں نے آیت متشابہ کی تأویل کر کے اپنا عقیدہ ثابت کرنا چاہا تو اللہ تعالی نے ان کی ایسی تأویل کو مردود قرار دیا اور عقیدہ اخذ کرنے کے لیے ایک اصول بیان فرمایا کہ کتاب اللہ میں دو قسم کی محکمات و متشابہات آیات ہیں اور عقیدہ صرف آیات محکمات سے ثابت ہو گا کیونکہ محکم آیات ہی کتاب کی اصل یعنی بنیاد ہیں اور ساتھ میں یہ بھی فرمایا کہ جن لوگوں کا صحیح بات ماننے کا ارادہ ہی نہیں اور ان کے دل میں ٹیڑھا پن ہے وہ لوگ فتنہ و فساد برپا کرنے کے لیے اور دوسرے لوگوں کو الجھن میں ڈالنے کے لیے آیات متشابہات کا سہارا لیتے ہیں اور اپنے آباء واجداد کے غلط عقیدوں کو آیات متشابہات کی تأویل کر کے ثابت کرنا چاہتے ہیں، حالانکہ جو علم میں پختہ لوگ ہیں وہ بھی اپنی طرف سے آیات متشابہات کی اس طرح آیات محکمات کے مقابلہ میں یقین سے تاویل نہیں کرتے بلکہ یوں کہتے ہیں کہ " اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا "

[Website: DifaAhleSunnat.com]

سوال: بعض روایات میں آتا ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہم آیات متشابہات کی تأویل جانتے ہیں اس کا کیا مطلب ہے؟

جواب: اگر ان روایات کی سند صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہے کہ در حقیقت متشابہات کی دو قسمیں ہیں

آیات متشابہات کی پہلی قسم:

قسم اوّل: جن کے لغوی اعتبار سے بھی معنیٰ معلوم نہ ہو جیسے حروف مقطعات مثلاً: ق، ن، طس وغیرہ، قسم ثانی: وہ آیات جن کا لغوی معنیٰ تو معلوم ہو لیکن لغوی معنیٰ کو سامنے رکھ کر اگر کوئی مفہوم مراد لیا جائے تو وہ مفہوم آیات

محکمات کے خلاف ہو جاتا ہو یا جس ذات کے لیے وہ الفاظ بیان کیے گئے ہوں اس کے شایان شان نہ ہو مثلاً: "ید اللہ، وجہ اللہ" وغیرہ، ان آیات میں اللہ تعالی کا ہاتھ اور چہرہ بیان کیا گیا ہے اور لغت کے اعتبار سے ہاتھ اور چہرے کا جو مفہوم ہے وہ اللہ تعالیٰ کے شایان شان نہیں ہے اور اس کے علاوہ ان آیات کا ظاہری معنیٰ دوسری آیات کے خلاف ہے۔ مثلاً: "لَيْسَ كَمِثْلِهِ شَيْءٌ" تو اس قسم کی آیات کی تأویل یعنی حقیقی معنیٰ و مراد اللہ ہی جانتا ہے، اور پختہ علم رکھنے والے حضرات بھی ایسی آیات کے بارے میں کہتے ہیں۔ " اٰمَنَّا بِهٖ ۙ كُلٌّ مِّنْ عِنْدِ رَبِّنَا "یعنی ایسی آیات کی تأویل کے درپے نہیں پڑتے بلکہ ان آیات کی تأویل اللہ تعالیٰ پر چھوڑ دیتے ہیں۔

آیات متشابہات کی دوسری قسم:

آیات متشابہات کی دوسری قسم وہ ہے کہ کسی آیت میں لفظ مشترک ہو یعنی جس لفظ کے ایک سے زائد معنیٰ ہوں مثلاً لفظ قروء وغیرہ یا لفظ کا معنیٰ تو ایک ہو لیکن مختلف چیزوں پر بولا جاتا ہو جیسا کہ لفظ نور جو قرآن اور اسلام غیرہ پر بولا جاتا ہے تو ایسی آیات کی تأویل راسخین فی العلم اللہ تعالیٰ کی دی ہوئی فہم و فراست اور حکمت سے آیات محکمات کا لحاظ رکھتے ہوئے کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ اس سے مراد یہ ہے اور اسی بناء پر وہ کہتے ہیں کہ ہم آیات متشابہات کی تأویل کو جانتے ہیں لیکن ان کا یہ جاننا بھی یقینی اور قطعی نہیں ہوتا وہ حضرات کسی دوسرے کی تأویل کو باطل نہیں کہتے کیونکہ دوسری تأویل کا بھی اس میں احتمال ہوتا ہے۔

اور یہی بات حکیم البریلویت مفتی احمد یار نعیمی بریلوی نے اپنی کتاب "جاء الحق" کے مقدمہ میں لکھی ہے کہ "والتاویل ترجیح لاحد المحتملات بلا قطع" یعنی تأویل کا مطلب ہے ایک سے زیادہ محتمل معنیٰ ہوں ان میں سے ایک معنیٰ کو ترجیح دینا بلا قطع بلا یقین کے ظن غالب (گمان) کے طور پر (مقدمہ جاء الحق صفحہ 12) اس لیے ایسے تأویلی معنیٰ سے عقیدہ ثابت نہیں ہو گا۔ مذکورہ حقیقت

سمجھنے کے بعد علماء کرام کے اقوال کو سمجھنا آسان ہے یعنی بعض علماء جو کہتے ہیں کہ آیات متشابھات کا علم اللہ تعالی کے سواء کسی کو بھی نہیں اور وہ " وَمَا يَعْلَمُ تَأْوِيْلَهٗ اِلَّا اللهُ " پر وقف کرنے کو لازم سمجھتے ہیں تو ان کی نظر متشابھات کی پہلی قسم پر ہوتی ہے اور بعض علماء حضرات کے نزدیک لفظ الا اللہ پر وقف کرنالازم نہیں بلکہ جائز ہے اور اللہ تعالی کے سواء راسخین فی العلم کے لیے بھی آیات متشابھات کی تأویل جاننے کو جائز کہتے ہیں تو ان کی نظر آیات متشابھات کی دوسری قسم پر ہوتی ہے لیکن وہ بھی ظنی یعنی غالب گمان کے طور پر لہذا عقیدہ قطعی طور پر آیات محکمات سے ہی ثابت ہو گا۔

آیات متشابھات سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا:

خلاصہ: ان تفاسیر نے بھی یہی لکھا ہے کہ قرآن مجید کو سمجھنے کے لیے محکمات

و متشابھات آیات کا سمجھنا ضروری ہے، محکمات سے عقائد و احکام ثابت ہوتے ہیں متشابھات سے نہیں، اگر کوئی آیات متشابھات سے تأویل کر کے ایسا عقیدہ بنائے جو آیات محکمات کے خلاف ہو تو سمجھو کہ یہ دین میں فتنہ و فساد کر رہا ہے لہذا اس کی تأویل کی آیات محکمات سے تردید کرو یعنی کسی بھی آیت کی کوئی تأویل آیات محکمات کے خلاف ہو تو اس کو قبول نہ کرو اور اگر کسی آیت کی کوئی تأویل آیات محکمات کے خلاف نہ ہو تو اعمال میں اس کو قبول کیا جائے گا لیکن وہ بھی بلا قطع یعنی قطعی نہیں بلکہ ظنی ہو گا۔

دوسرا ماخذ سنت:

دین اسلام پر عمل کرنے کا دوسرا ماخذ سنت ہے، اور سنت کا سمجھنا بھی ضروری ہے کیونکہ ہر حدیث سنت نہیں، بلکہ ہر سنت حدیث سے ہو گی اور حدیث کے سمجھنے کا بھی اصول ہے۔ جس طرح قرآن کی آیات میں خاص، عام، مشترک، مؤول اور محکم و متشابہ ہیں اسی طرح فرمان رسول صہ میں بھی خاص و عام و مشترک و مؤول اور محکم و متشابہ ہیں اس لیے احادیث رسول صہ کو بھی سمجھنے کے لیے اس چیز کا لحاظ رکھنا ضروری ہو گا یعنی کسی روایت میں اگر کوئی لفظ متشابہ ہو تو اس سے بھی کوئی عقیدہ یا نظریہ ثابت نہیں ہو گا مثلاً: قال رسول اللہ "من كنت مولاہ فعلي مولاہ اللهم وال من والاہُ وَعَادِ مَنْ عاداہ" رواہ الترمذي" جس کا میں مولی ہوں تو یہ علی بھی اس کا مولی ہے اے میرے اللہ جو علی سے محبت کرے تو تو بھی اس سے محبت کر اور جو اس سے دشمنی کرے تو تو بھی اس سے دشمنی کر۔ اس روایت میں لفظ مولی مشترک یعنی متشابہ ہے تو اس سے عقیدہ و نظریہ ثابت نہیں ہو گا، اب اگر کوئی اس روایت سے اپنا عقیدہ یا نظریہ بنا کر امت مسلمہ سے جدا ہو جائے تو سمجھو کہ یہ ٹیڑھا دل ہے اور فتنہ برپا کر رہا ہے، کیونکہ متشابہ آیت ہو یا حدیث،

اس سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہو گا۔اور اس کے علاوہ جس طرح قرآن مجید کے سمجھنے کے لیے ہم نے مذکورہ اصول بیان کیا، اسی طرح احادیث کو سمجھنے کے لیے بھی ہم اصول حدیث بیان کرتے ہیں، تاکہ کسی حدیث کو سمجھنے کے لیے ہم اس اصول کو سامنے رکھیں، لہٰذا اصول حدیث کو سمجھنا بھی ضروری ہے۔

حدیث کے سمجھنے کا اصول

پس اگر بالفرض قرآن مجید کی کسی خاص آیت سے کوئی ایسی روایت بظاہر متعارض ہو جو خبر متواتر نہ ہو یعنی خبر واحد ہو تو اس کے سمجھنے کا اصول یہ ہے۔"وحکم الخاص من الکتاب وجوب العمل به لا محالة (قطعاً ویقینا) فان قابله اي عارض الخاص من الکتاب خبر الواحد أو القیاس فان امکن الجمع بینهما . بدون التغیر في حکم الخاص مع تغیر ما في حکم الخبر یعمل بهما أي بالمتقابلین لأن الأصل أن یعمل بالدلائل جمعا بینهما ان امکن والا اي وان لم یمکن الجمع بینهما بدون تغیر في حکم الخاص یعمل بالکتاب ویترك مایقابله لأن الکتاب أقوی منهما لأنه قطعي وهما ظنیان لأن في خبر الواحد شبهة الانقطاع عن الرسول و القیاس مبناه علی الرأي وهو یحتمل الغلط والضعیف لا یظهر في مقابلة القوی مثاله" الخ

ترجمہ: کتاب اللہ میں خاص کا حکم یہ ہے کہ اس پر عمل کرنا ضروری ہے یعنی اس پر عمل کرنا قطعی ویقینی ہے پس اگر کوئی روایت جو خبر واحد ہو اس خاص کے معارض ہو یا قیاس معارض ہو تو پھر اگر دونوں کو جمع کرنا ممکن ہو مثلاً خبر واحد میں تغیر کر کے، نہ کہ خاص میں تو دونوں کو جمع کر کے دونوں پر عمل کیا جائے گا کیونکہ اصول یہ ہے کہ اگر ممکن ہو تو دونوں دلائل کو ملا کر دونوں پر عمل کیا جائے، اور اگر دونوں کو جمع کرنا ممکن نہ ہو، سوائے خاص میں تغیر کرنے کے، تو کتاب اللہ میں تغیر نہیں کیا جائے گا بلکہ کتاب اللہ کے حکم پر عمل کیا جائے گا اور جو اس کے معارض ہو (خبر واحد یا قیاس) تو ان کو چھوڑا جائے گا، کیونکہ کتاب اللہ کی دلیل قطعی ویقینی ہے اور خبر واحد و قیاس دونوں ظنی ہیں، خبر واحد تو اس لیے کہ اس میں رسول اللہ صہ سے انقطاع کا شبہ ہے اور قیاس اس لیے کہ اس کی بنیاد ایک مجتہد کی اجتہادی رائے پر ہے جس میں ضعف اور غلطی کا احتمال ہے ان میں قوی کے تقابل کی صلاحیت نہیں ہے۔ پھر مصنف نے اس کی مثالیں بیان کی ہیں۔اور اس کے بعد لکھا ہے کہ جسطرح کتاب اللہ کی آیات میں، خاص، عام، مشترک اور مؤول وغیرہ ہیں اسی طرح سنت میں بھی ان چیزوں کا خیال رکھا جائے گا۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

عبارت: "فما مر ذکرہ من البحث عن الاقسام في الکتاب أي الخاص والعام والمشترك والمؤول الخ واحکامها وتفاوۃ مراتبها فھو کذالك في حق السنة اي فذالك البحث المذکور بتمامه یاتي في قسم السنة" (فصول الحواشی شرح اصول الشاشی 350)

ترجمہ: پس کتاب اللہ میں اقسام کی بحث جو گزر چکی یعنی خاص وعام ومشترک ومؤول وغیرہ کا اور ان کے احکام اور تفاوت مراتب کا تو اسی طرح وہ ساری بحث سنت میں بھی ثابت ہے یعنی وہی بحث (مثلاً محکم متشابہ وغیرہ) مکمل طرح سنت (روایات) میں بھی آئے گی اور کتاب اللہ کی طرح اس میں بھی ناسخ ومنسوخ، محکم ومتشابہ ہوگا سنت کو سمجھنے کے لیے بھی کتاب اللہ کے اصول کو سمجھا جائے گا۔

نوٹ: احادیث کو سمجھنے کے لیے بھی وہی اصول ہوگا جو کتاب اللہ کے سمجھنے کا اصول ہے یعنی ان میں بھی متشابہات کو محکمات کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اس کے ساتھ حدیث کے سمجھنے کا جو اصول ہے اس کو بھی سمجھنا چاہیے اور وہ اصول یہ ہے کہ کسی بھی روایت کو جو غیر متواتر یعنی خبر واحد ہے اس کو کتاب اللہ پر پیش کیا جائے گا اگر اس کے مطابق ہے تو اس پر عمل کیا جائے گا۔

ورنہ روایت میں تاؤیل کر کے کتاب اللہ کے ساتھ تطبیق دیکر دونوں کو ایک معنیٰ میں لیکر دونوں پر عمل کیا جائے گا، اور اگر کسی روایت کی ایسی تاویل نہ ہو سکے جو کتاب اللہ کے ساتھ موافقت کرے، تو مجتہدین کے اصول کے مطابق عمل کتاب اللہ پر کیا جائے گا اور روایت کو اپنے حال پر چھوڑا جائے گا۔ اور ایک اصول یہ ہے کہ غیر متواتر روایت کتنی بھی اعلیٰ سند کی ہو تو وہ اعمال میں حجت ہے نہ کہ عقائد میں کیونکہ قطعی عقیدہ قطعی الثبوت دلیل سے ثابت ہوتا ہے اور غیر متواتر روایت قطعی الثبوت نہیں بلکہ ظنی الثبوت ہے جیسا کہ اوپر فصول الحواشی سے بحوالہ پیش کیا گیا اس لیے اس سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

اور مولانا منظور احمد مینگل صاحب نے تحفۃ المناظر میں لکھا ہے کہ:

عقائد کے سلسلے میں یہ بات پیش نظر رہے کہ عقیدہ کا ثبوت قطعی الثبوت اور قطعی الدلالات نصوص سے ہوتا ہے، معجزات، کرامات، مکشوفات ہزاروں ہوں تب بھی ان سے عقیدہ کا اثبات نہیں کیا جا سکتا۔ خبر واحد مفید للقطع نہیں، جمہور علماء و محققین کا یہی مذہب ہے محدثین، اصولین اور فقہاء سب کا کہنا یہی ہے کہ خبر واحد سے عقیدہ کا ثبوت نہیں ہوتا۔

منہاج السنہ " میں علامہ ابن تیمیہ ایک حدیث کا جواب دیتے ہوئے فرماتے ہیں: "ان ھذا من اخبار الآحاد فکیف یثبت به اصل الدین الذي لا یصح الإیمان الابه" یہ تو خبر آحاد میں سے ہے تو اس سے ان عقائد کو کیسے ثابت کیا جا سکتا ہے جن کے بغیر ایمان معتبر نہیں، اصل الدین سے اعتقادیات مراد ہیں۔ (تحفہ المناظر از مولانا منظور احمد مینگل صاحب ص 57)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور روایت کی تصحیح و تضعیف امور ظنیہ ہیں،، اخبار آحاد عام طور پر تصحیح و تضعیف اور تحسین سے متصف ہوتی ہیں اور قاعدہ ہے کہ "التصحيح والتضعيف والتحسين امور ظنية. واليقين ينافي الظن" یعنی تصحیح، تضعیف و تحسین محدث کا کام ہے اور محدثین کی تشخیصات ظنی ہیں، پھر اس ظن کے ہوتے ہوئے قطع اور یقین کا فائدہ کیسے حاصل ہو گا۔(تحفہ المناظر صفحہ 61)

دوسرے الفاظ میں یوں تعبیر کر سکتے ہیں کہ تصحیح، تضعیف اور تحسین امور اضافیہ ہیں یعنی حدیث صحیح عند قوم وضعیف عند الآخرین، ایک ہی حدیث کے بارے میں ایک محدث صحت کا فیصلہ کرتا ہے جبکہ دوسرا محدث اسے ضعیف قرار دیتا ہے۔

(تحفۃ المناظرہ ص60 تا61)اور مدار صحت صرف سند نہیں۔ اسی لیے محدثین نے تصریح کی ہے کہ باوجود صحت سند کے کبھی متن صحیح نہیں ہوتا۔ علامہ ابن کثیر فرماتے ہیں:"صحة السند لا يستلزم صحة المتن وصحة المتن لا يستلزم صحة السند" اور علامہ ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:"وقد يكون الأسناد كله ثقات ويكون الحديث موضوعا أو مقلوبا أو قد جرى فيه تدليس وهذا أصعب الاحوال ولا يعرف ذلك الا النقاد"(تحفۃ المناظر صفحہ 60 تا 61)

اور مولانا عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ نے لکھا ہے کہ روایت حدیث کا شریعت و عقل کے نزدیک کیا رتبہ ہے؟

فن حدیث ایک بڑا عظیم الشان علم ہے اس علم کے ماہرین اچھی طرح جانتے ہیں کہ علمائے مسلمین نے کیسی سعی مشکور اس علم میں کی ہے،روایت حدیث کا متفرق و منتشر مقامات سے لیکر جمع کرنا پھر ان کی تنقید کرنا ان کے مدارج کا جانچنا آسان کام نہ تھا اس علم کی تکمیل کے لیے۔ فن مدون کیے گئے تقریبا ایک لاکھ راویوں کے حالات قلم بند ہوئے، جرح و تعدیل کے قوانین بنائے گئے سچ یہ ہے کہ بعونہ تعالی و حسن توفیقہ مسلمانوں نے جس قدر اہتمام اپنی روایات کی حفاظت کا کیا کوئی دوسری قوم اس اہتمام کا ہزارواں حصہ اپنی کتاب اللہ کی حفاظت میں نہیں دکھا سکتی، آج ہم جس طرح ایک حدیث کی سند رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم تک بیان کرتے ہیں دنیا میں کوئی شخص توریت یا انجیل کی سند ان کے معلم اول تک بیان نہیں کر سکتا۔

"ذٰلِكَ مِنْ فَضْلِ اللّٰهِ عَلَيْنَا وَعَلَى النَّاسِ وَلٰكِنَّ اَكْثَرَ النَّاسِ لَا يَشْكُرُوْن (یوسف آیت 38)

"بایں ہمہ حدیث کا اعتبار قرآن شریف کے برابر نہیں ہے اور نہ ہو سکتا ہے اس وجہ سے نہیں کہ قرآن شریف کلام خدا ہے اور حدیث کلام رسول ہے بلکہ اس وجہ سے کہ قرآن شریف متواتر ہے قطعی و یقینی ہے اور احادیث اکثر و بیشتر اخبار احاد ہیں ظنی ہیں جن

لوگوں نے بلا واسطہ رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان مبارک سے احادیث کو سنا ان کے حق میں وہ احادیث واجب القبول اور واجب العمل ہونے میں قرآن شریف سے کسی طرح کم نہیں ہیں۔

الغرض یہ تفاوت راویوں کے سبب سے پیدا ہوا ہے، حدیث کی باعتبار اس کی سند یعنی راویوں کے کئی تقسیمیں کی گئی ہیں منجملہ ان کی دو یہاں ذکر کی جاتی ہیں۔ تقسیم اول: باعتبار تعداد رواۃ کے ہے اس تقسیم میں چار قسمیں ہیں، اولاً دو قسمیں کی گئی ہیں: (1) متواتر (2) آحاد۔ متواتر وہ روایت ہے، جس کے راوی ہر طبقہ میں اس کثرت سے ہوں کہ ان سب کے جھوٹ پر متفق ہو جانے کو عقل انسانی عادتاً محال سمجھے۔ آحاد وہ روایت ہے جس کے راوی اس کثرت سے نہ ہوں۔

آحاد کی پھر تین قسمیں ہیں۔(1) مشہور، جس کے راوی کسی طبقے میں تین سے کم نہ ہوں۔ (2) عزیز، جس کے راوی کسی طبقے میں دو سے کم نہ ہوں۔(3) غریب، جس کے راوی دو سے بھی کم ہوں یعنی کسی طبقے میں یا کل طبقات میں ایک ہی ایک راوی ہو۔ تقسیم دوم: باعتبار اوصاف، رواۃ کے ہے اس تقسیم میں بھی چار قسمیں ہیں(1) صحیح (2) حسن (3) ضعیف (4) موضوع ان سب اقسام میں اعلیٰ ترین قسم متواتر ہے اور بلاشبہ یقینی چیز ہے مگر اس کا وجود کم اور بہت کم ہے۔ حافظ ابن الصلاح اپنی کتاب،، مقدمۃ الحدیث " میں لکھتے ہیں کہ اگر کوئی شخص متواتر حدیث کو تلاش کرے تو تھک جائے گا۔ بعض محدثین جو بعض روایات کو متواتر کہہ دیتے ہیں اور بعض نے مستقل تالیفات میں متواتر روایات کو جمع کیا ہے ان میں اکثر روایات متواتر حقیقی نہیں بلکہ اخبار احاد ہیں اسانید ان کی کچھ زیادہ ہو گئیں ہیں اس وجہ سے ان کو مجازاً متواتر کہہ دیا گیا ہے، اصطلاح محدثین میں اسی کو متواتر معنوی کہتے ہے یہی وجہ ہے کہ جن حدیثوں کو وہ متواتر کہتے ہیں ان کے منکر کو کافر نہیں کہتے حالانکہ اگر متواتر حقی ہوتی تو ان کے منکر کا کفر قطعی ہوتا، کتب حدیث کے بھی کئی طبقے ہیں بعض اعلیٰ ہیں، بعض ادنی بعض بالکل غیر معتبر، طبقہ اعلیٰ میں صرف تین کتابیں قرار پائی ہیں، امام مالک کی موطا، صحیح بخاری، صحیح مسلم بعض کتابیں ایسی ہیں جن میں ہر قسم کی رطب ویابس، صحیح وضعیف بلکہ موضوع روایات بھی مندرج ہیں ان کے مؤلفین کا مقصود یہ تھا کہ جو روایتیں اوپر کے طبقوں میں نہیں لی گئیں وہ سب قلم بند کر لی جائیں بعد میں تنقید ہوتی رہے گی ممکن ہے ان سنگریزوں میں کچھ جواہرات بھی ہوں، ان طبقات کا مفصل حال " حجتہ اللہ البالغہ " اور "بستان المحدثین " میں دیکھنا چاہیے۔ محدثین کے مدارج بھی بحسب اختلاف طبائع انسانی مختلف ہیں بعض اعلیٰ درجہ کے ناقد و مبصر ہیں جیسے امام بخاری بعض متساہل ہیں جو ضعیف بلکہ موضوع حدیثوں کو بھی صحیح کہہ دیتے ہیں جیسے حاکم، بعض متشدد ہیں جو صحیح حدیثوں کو بھی موضوعات میں داخل کر دیتے ہیں جیسے ابن جوزی رحمہم اللہ۔

آمدم بر سر مطلب غیر متواتر روایات بعد ان سب تحقیقات اور تنقیحات کے کیسی ہی اعلیٰ پایہ کی ہوں ظنی ہیں عقائد کی بنیاد ان پر رکھنا عقلاو نقلا کسی طرح جائز نہیں، البتہ جو حدیثیں ان تحقیقات میں صحیح یا حسن کے رتبہ تک پہنچ جائیں ان سے اعمال کے مسائل استنباط کیے جاتے ہیں بشرطیکہ وہ سب شرائط بھی پائے جائیں جو اصول فقہ واصول حدیث میں مذکور ہیں، اور ضعیف حدیث فضائل اعمال اور مناقب میں بھی لی جاتی ہے مگر انہیں شرائط کے ساتھ جو کتب اصول میں مذکور ہیں اور موضوع روایت تو قطعاًواجب الرد ہے۔ غیر متواتر روایات کے ظنی ہونے کا اصلی سب یہ ہے کہ صاحب شریعت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کا صدور یقینی نہیں ہے اس لیے کہ غیر متواتر روایات کی بنیاد معدودے چند راویوں کے بیان پر ہے، ممکن ہے کہ جن معدودے چند اشخاص کو قواعد سے جانچ کر معتبر مانا گیا ہے اس جانچ میں غلطی ہو گئی ہو، بسا اوقات ایسا ہوتا ہے کہ لوگ ایک شخص کو اچھا اور سچا سمجھتے ہیں اور واقعہ اس کے خلاف ہوتا ہے غیب کا حال، دلوں کی کیفیت، ضمائر کی اصلیت سوائے خدا کے اور کون جان سکتا ہے۔

روایت میں غلطی صرف راوی کے کاذب ہونے سے نہیں ہوتی بلکہ بسا اوقات غلط فہمی سے بھی ہو جاتی ہے، سہو ونسیان کی وجہ سے بھی ہو جاتی ہے، تنقید وغیرہ کی وجہ سے بھی، اور طرق روایت کو جمع کرنے سے اور دوسرے قرائن سے یہ احتمالات کمزور ضرور ہو جاتے ہیں مگر کلیتاً فنا نہیں ہوتے اور ان احتمالات کا جب تک سایہ بھی باقی ہے روایت ظنی ہی رہے گی یقینی نہیں ہو سکتی، یہی وجہ ہے کہ باوجود صحت حدیث مسلم ہو جانے کے بھی ان پر عمل کرنے میں علماء کا اختلاف ہو جاتا ہے حتی کہ صحیح بخاری جیسی اعلی پایہ کی کتاب اور اس کی بعض احادیث حنفیہ کے نزدیک متروک العمل ہیں۔ احادیث کی یہ کیفیت ہے کہ محدث خود ہی ایک روایت کرتا ہے اور اس روایت کو صحیح قرار دیتا ہے مگر اس پر عمل نہیں کرتا، امام مالک رحمہ اللہ نے اپنی موطا میں بعض روایتیں ایسی درج کی ہیں کہ خود ان کا مذہب ان روایات کے خلاف ہے، امام ترمذی نے اپنی کتاب میں کئی حدیثیں ایسی روایت فرمائی ہیں کہ ان کی سند میں کوئی داغ نہیں لیکن لکھتے ہیں کہ امت میں کسی نے بھی ان حدیثوں پر عمل نہیں کیا اس کے نظائر بہت ہیں۔

ایک خاص بات یہ بھی قابل غور ہے کہ ہمارے محدثین نے یہ اصول قائم کیا ہے کہ اہل بدعت سے روایت لے لی جائے بچند شرائط

اول: یہ کہ ان کی بدعت کفر کی حد تک نہ پہنچی ہو۔

دوم: یہ کہ ان کا صدق معلوم ہو گیا ہو یعنی کسی محدث نے ان پر کذب کی جرح نہ کی ہو۔

سوم: نہ یہ کہ وہ روایت ان کی بدعت کی مؤید نہ ہو۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اسی اصول کی بناء پر امام بخاری رحمہ اللہ جیسے عالی مرتبہ محدث نے بعض شیعوں سے روایت لے لی اور صحیح بخاری میں درج فرمائی مثلاً یونس بن حبان کے جس کا تشیع تبرائیت کی حد تک پہنچا تھا حالانکہ ہمارے علماء سابقین کو پوری حقیقت مذہب شیعہ کی معلوم ہی نہ تھی اور معلوم کیونکر ہو سکتی تھی اس مذہب کے لوگ بہت ہی کم تھے اور جو تھے بھی وہ اپنے مذہب کے چھپانے میں بے حد اہتمام کرتے تھے مذہب کا ظاہر کرنا ان کے ہاں بڑا مذہبی جرم تھالہذا ہمارے علماء اس امر کا فیصلہ کر ہی نہ سکے کہ ان کی بدعت حد کفر تک پہنچی ہے یا نہیں، ہمارے علماء کو یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ان کے مذہب میں جھوٹ بولنا عبادت ہے، ورنہ وہ کبھی کسی شیعہ کی بابت یہ خیال بھی نہ کرتے کہ وہ صادق ہو سکتا ہے، پھر جب مذہب شیعہ کی پوری حقیقت معلوم ہی نہ تھی تو فیصلہ کیونکر کیا جا سکتا تھا کہ یہ روایت ان کی بدعت کی مؤید ہے یا نہیں، یہ حال تو ان شیعوں کی روایت کا ہے جن کا شیعہ ہونا معلوم تھا اور جن شیعوں نے تقیہ کر کے سنی بن کر ہمارے محدثین کو دھوکے دئے ان میں سے جن کا حال تنقید کے بعد ظاہر ہو گیا وہ ظاہر ہو گیا، اور جن کا حال ظاہر نہ ہوا ان کا علم سوائے عالم الغیب کے کس کو ہو سکتا ہے۔ المختصر روایات احاد کا بیان عقائد میں نا قابل التفات ہونا بالکل ظاہر ہے۔

تحفہ اہل سنّت از امام اہل سنّت علامہ عبد الشکور لکھنوی رحمہ اللہ مکتبہ امدادیہ ملتان ص39 تا44

اور علامہ لکھنوی رحمہ اللہ نے یہ بھی لکھا ہے کہ (یہ بات کہ غیر متواتر روایات کیسی ہی اعلیٰ پائے کی ہوں ظنی ہیں۔ عقائد کی بنیاد ان پر رکھنا عقلاً و نقلاً کسی طرح جائز نہیں۔ یہ صرف اہل سنّت کے ہاں نہیں بلکہ) علماء شیعہ نے بھی اپنی روایات کے بابت ایسی ہی تصریحات کی ہے اور صاف لکھا ہے کہ روایت پر بنیاد اعتقاد نہیں ہو سکتی، بلکہ ہر حدیث چاہے کیسی ہی صحیح ہو عمل کے کام میں بھی نہیں آسکتی مثلاً شیعوں کا علامہ علی طہرانی اپنی کتاب "توضیح المقال" صفحہ 4 پر لکھتے ہیں۔ "ان احتمال الوضع قائم فی اکثر الاخبار وان ضعف فی بعض القرآئن خارجیت" پکی بات ہے کہ اکثر حدیثوں میں جعلی ہونے کا احتمال موجود ہے اگرچہ یہ احتمال بعض حدیثوں میں قرائن خارجیہ کے سبب کمزور ہو گیا،، اور مولوی دلدار علی مجتہد اعظم شیعہ نے "حسام" میں لکھا ہے کہ خبر واحد اگر بے معارض ہم باشد ظنی است دراصل اعتقادیات باّں تمسک نباید کرد بلکہ نزد محققین شیعہ امامیہ مثل ابن زہرہ وابن ادریس وشریف مرتضیٰ اکثر قدماء ایشاں قابل احتجاج نیست،، ترجمہ شیعہ محققین کے نزدیک خبر واحد اگر بغیر تعارض ہو تب بھی ظنی ہے اصول یعنی اعتقاد میں ان سے تمسک نہ کرنا چاہیے وہ قابل حجت نہیں ہیں۔

اور مولوی حامد حسین امام المناظرین شیعہ "استقصاء الافحام" میں لکھتے ہیں کہ ہر صحیح حدیث جائز العمل ہم نیست چہ جائے آنکہ واجب العمل باشد،، ترجمہ: ہر صحیح حدیث جائز العمل بھی نہیں چہ جائیکہ واجب العمل ہو، (تحفہ اہل سنت صفحہ 43 کا حاشیہ)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

ٹوٹ: ان ہر دو یعنی امت مسلمہ اور شیعہ محققین کی تحقیق سے معلوم ہوا کہ غیر متواتر روایات سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہو گا، غیر متواتر روایت جائز العمل بھی نہیں ہیں چہ جائیکہ واجب العمل ہو، کیونکہ روایات میں سے کسی روایت میں خصوصیت الرسول ﷺ ہوتی ہے جیسے بیک وقت چار عورتوں سے زیادہ سے نکاح کرنا، یا کوئی عمل کسی عذر کی وجہ سے ہو جیسے بیٹھ کر فرض نماز پڑھنا، کیونکہ بغیر عذر کے نماز میں قیام نہ کرنا جائز نہیں ہے اس لیے امت مسلمہ کا اصول ہے کہ سنت رسول صہ پر عمل کرنا ضروری ہے اور سنت کہتے ہیں "ماواظب علیہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم وترکہ احیانا" یعنی جس عمل پر آپ ﷺ نے ہمیشگی کی ہو اور کبھی کبھی اسکو ترک کیا ہو اس کو سنت کہتے ہیں، اس سے معلوم ہوا کہ ہر صحیح روایت واجب العمل نہیں ہے۔

نتیجہ: یہی ہوا کہ روایات آحاد کا عقائد کے بارے میں نا قابل التفات ہونا بالکل ظاہر ہے۔ (تحفہ اہل سنت ص 39 تا 44)

(شیعہ مصنفین کی تحقیق کہ روایات میں بھی محکم و متشابہ الفاظ موجود ہیں)

وفي العيون الأخبار عن الرضا قال من رد متشابه القرآن الى محكمه هدى إلى صراط مستقيم ثم قال ان في اخبارنا متشابها كمتشابه القرآن ومحكما كمحكم القرآن فردوا متشابهها إلى محكمها ولا تتبعوا متشابهها دون محكمها فتضلوا

(تفسیر صافی جلد 1 صفحہ 319) تفسیر نور الثقلین جلد 1 صفحہ 318

ترجمہ: اور عیون اخبار میں امام علی رضا کا فرمان ہے کہ جس نے قرآن کی آیات متشابہات کو محکم آیات کی طرف لوٹایا اس نے صراط مستقیم کی طرف راہ پائی، پھر فرمایا کہ جس طرح قرآن میں محکم و متشابہ آیات ہیں اسی طرح ہماری احادیث میں بھی محکم و متشابہ الفاظ ہیں پس تم ہماری ایسی روایت کو جس میں متشابہ الفاظ ہوں ان کو محکم الفاظ کی طرف لوٹاؤ، ویسے محکم الفاظ سے ہٹ کر روایت کے متشابہ الفاظ کو بنیاد بنا کر عقیدہ رکھ کر اس کے پیچھے نہ چلو، پھر تم گمراہ ہو جاؤ گے۔

نوٹ: جس طرح روایت میں من کنت مولاہ میں لفظ مولی محکم نہیں ہے بلکہ متشابہات میں سے ہے تو امام علی رضا نے ایسی روایت کو بنیاد بنانے سے منع فرمایا اور ایسی متشابہات کے پیچھے لگنے والوں کو گمراہ قرار دیا۔

جو حدیث کتاب اللہ کے موافق ہو وہ قبول کرلو اور جو کتاب اللہ کے موافق نہ ہو اسے رد کر دو

شیعہ مصنف محمد بن یعقوب کلینی نے لکھا ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: "قال رسول اللہ ﷺ ان علی کل حق

[Website: DifaAhleSunnat.com]

حقیقۃ وعلی کل صواب نورا فما وافق کتاب اللہ فخذوہ وما خالف کتاب اللہ فدعوہ" فرمایا حضرت رسول اللہ ﷺ نے ہر ایمان کی علامت ہے اعمال صالحہ سے روشنی ہے محکمات قرآن سے، پس جو حدیث کتاب خدا کے موافق ہو لے لو، اور جو مخالف کتاب ہو اسے چھوڑ دو۔ (اصول کافی جلد 1 صفحہ 76،، ترجمہ ادیب اعظم سید ظفر حسین شیعہ)

"خطب النبی ﷺ فقال ایھا الناس ماجاء کم عنی یوافق کتاب اللہ فانا قلتہ وما جاء کم یخالف کتاب اللہ فلم اقلہ"

حضرت رسول اللہ ﷺ نے خطبہ میں فرمایا جو حدیث میری تمہارے سامنے آئے اگر وہ کتاب خدا کے موافق ہو تو میری ہے اور اگر مخالف کتاب خدا ہے تو میری نہیں۔ (اصول کافی اردو ترجمہ ظفر حسین شیعہ ج 1 کتاب العقل والجہل، باب نمبر 24 صفحہ 76 تا 77)

نوٹ: شیعہ مذہب میں بھی یہی اصول ہے کہ جو روایت کتاب اللہ کی محکم آیات کے موافق ہو وہ صحیح ہے اور اس پر عمل کیا جائے گا یعنی دین کے عقائد واحکام کی بنیاد کتاب اللہ کی محکم آیات پر ہے۔ اور اسی طرح روایات میں بھی محکم اور متشابہ الفاظ ہوتے ہیں، ان میں بھی صحیح روایت و محکم الفاظ پر بھی عمل کرنا جائز العمل بھی نہیں چہ جائیکہ واجب العمل ہو، لھذا کوئی بھی قطعی عقیدہ نہ کسی غیر متواتر روایت سے ثابت ہوگا اور نہ ہی کسی متشابہ آیات سے ثابت ہوگا، قطعی عقیدہ صرف محکم آیات سے ثابت ہوتا ہے۔

خلاصہ: علمائے امت مسلمہ اور اصولی حضرات کے ان تمام اقوال کی تحقیق کا خلاصہ یہ ہوا کہ اگر کسی نے رسول اللہ صل اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے روبرو کوئی بات سماعت فرمائی تو اس کی حیثیت امت کے لیے حجت اور یقیقنی ہونے میں قرآن مقدس کی طرح ہے، باقی اگر کسی دوسرے سے سنی یا بعد میں جو روایات متعدد راویوں سے منقول ہو کر کتابوں میں نقل کی گئی ہیں ان میں جو متواتر طریقہ سے منقول ہو وہ بلکل یقینی ہوگی، اور اس کے علاوہ جو غیر متواتر روایات ہیں انکا درجہ قطعی اور یقینی سے کچھ کم ہے اس لیے ان سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں کیا جاتا ظنی الثبوت سے ظنی عقیدہ ثابت ہوتا ہے۔

مثلاً ایک سو (100) میں سے ایک یا دو فیصد کم ہو واللہ اعلم

لیکن ان میں سے بھی ہر ایک پر عمل کرنا ضروری نہیں ہے، بلکہ ان میں سے خصوصیت رسول ﷺ، اور کسی عذر کی وجہ سے کیے ہوئے عمل، اور منسوخ کو جدا کیا جائے گا، اور اس کے علاوہ باقی روایات سے سنت کو معلوم کرکے، سنت پر عمل کیا جائے گا، تو اس اعتبار سے مجتہدین حضرات نے اپنے خداداد فہم و فراست سے مجموعہ روایات سے اجتہاد کرکے سنت کو معلوم کرکے اس پر عمل کرنے کا فتوی دیا، لیکن چونکہ مجموعہ روایات سے سنت کو معلوم کرنا ایک اجتہادی امر ہے اور اجتہادی امر میں اغلب صواب ہوتا

ہے، لیکن اس میں خطا کا احتمال بھی ہوتا ہے، کیونکہ غیب تو اللہ ہی جانتا ہے، انسان کے اختیار میں یہی ہے کہ وہ اپنے دینی یا دنیوی معاملات میں اپنی تحقیق کے مطابق جس چیز میں صحت کا غلبہ معلوم ہو، اس پر عمل کرے، تو مجتہدین حضرات نے بھی اسی طرح کیا،

شیعہ محققین کی تحقیق

جس طرح امت مسلمہ کے علماء کی تحقیق ہے اس طرح شیعہ محققین کی بھی یہی تحقیق ہے کہ اخبار آحاد (غیر متواتر) روایات سے عمل کا جائز ہونا بھی ثابت نہیں چہ جائیکہ عمل کا لزوم ثابت ہو، اور اسی طرح روایات کو کتاب اللہ کے سامنے رکھ کر سمجھا جائے گا، اس اصول کو سمجھنے کے بعد معلوم ہوا کہ قطعی عقائد قطعی دلیل یعنی آیات محکمات یا متواتر احادیث سے ثابت ہوتے ہیں، ان اصولوں پر رہ کر ہی دین کو سمجھنا ضروری ہے، یعنی قطعی عقیدہ آیات محکمات سے ثابت ہوگا آیات متشابھات سے نہیں اور متواتر روایات سے ثابت ہوگا غیر متواتر روایات سے نہیں، اور روایات میں بھی محکم الفاظ سے عقیدہ ثابت ہوگا متشابھات سے نہیں، پس اگر کوئی شخص یا فرقہ آیات متشابھات، یا متواتر روایت میں سے متشابہ الفاظ سے، یا غیر متواتر روایات سے قطعی عقیدہ ثابت کرکے اپنے مخالفین کو باطل کہنا شروع کرے تو یہ ٹیڑھا دل ہے اور فتنہ برپا کر رہا ہے تو ایسا شخص یقیناً عند اللہ ماخوذ ہوگا۔

اصول فقہ

کتاب اللہ کے اصول کے سمجھنے اور احادیث رسول ﷺ کے اصول کے سمجھنے کے بعد تیسرا درجہ ہے فقہ اسلامی کا فقہ اسلامی کے سمجھنے کا اصول بھی واضح ہے کہ کسی آیت کریمہ سے دلالت النص، عبارت النص، اشارت النص اور اقتضاء النص سے اجتہاداً کسی مسئلہ کا سمجھنا ہوتا ہے اور اجتہاد میں خطا کا احتمال بھی ہوتا ہے اور اسی طرح مختلف روایات میں سے سنت سول ﷺ کا معلوم کرنا یہ بھی ایک اجتہادی امر ہے تو اس میں بھی صواب و خطا دونوں کا احتمال ہوتا ہے، اس لیے مجتہدین حضرات کے اجتہادی اقوال سے بھی شریعت پر عمل ثابت ہوتا ہے، قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

اصولِ تاریخ

اور اس کے بعد تاریخ کا درجہ ہے۔ تاریخی باتوں کو سمجھنے کے لیے دو باتوں کو سامنے رکھنا ضروری ہے، ایک یہ کہ کسی شخصیت کے وجود کا ذکر ملتا ہے، یا کسی کی حکومت کا ذکر کہ فلاں حکمران تھا، یا کسی کی شہادت یا قتل کا ذکر، یا اچھے یا برے آدمی کے وجود کا ذکر تاریخ میں ملتا ہے، تو تاریخ کی یہ بات متواتر ہونے کی وجہ سے یقینی ہوتی ہے۔ باقی کسی واقعہ کے متعلق یا کسی فرد کے

متعلق، کسی حاکم کے متعلق، یا کسی قاتل یا مقتول کے متعلق جو تفصیلات تاریخ میں ملتی ہیں ان کی کوئی یقینی تحقیق نہیں ہوتی اور عموماً اس میں اختلاف ہوتا ہے، اس لیے ایسی تاریخی باتوں کی وجہ سے کوئی یقین حاصل نہیں ہو سکتا، ایسی تاریخ میں سنی سنائی باتوں کا لکھنا ہوتا ہے اور واقعات کو صرف دنیوی معلومات کے لیے بغیر تحقیق کے قلم بند کیا جاتا ہے جیسا کہ اخبارات، تو جس طرح ماضی کے واقعات پڑھنے سے یقین کے ساتھ کسی چیز کا صحیح یا غلط ہونا معلوم نہیں ہو سکتا اسی طرح اسلامی تاریخ میں بھی حکمران گزرے ہیں ، یا دوسرے حضرات کے متعلق لڑائیوں وغیرہ کے واقعات نقل کیے گئے ہیں جن کو تاریخی حقائق کہا جاتا ہے در حقیقت وہ حقائق نہیں ہوتے بلکہ وہ مسموع واقعات ہوتے ہیں اور جن حضرات سے وہ واقعات سن کر لکھے جاتے ہیں ان کے متعلق بھی اصول یہ ہے کہ جو راوی حدیث میں غیر معتبر ہے تاریخ میں وہ بھی معتبر ہے، اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر تاریخ میں بھی راویوں کی ایسی تحقیق ہو جیسی احادیث میں ہوتی ہے تو لگتا ہے کہ پھر تو معتبر راویوں کی عدم موجودگی کی وجہ سے تاریخ لکھی ہی نہ جاتی، پس لکھنے والوں نے

صرف معلومات کے لیے تاریخ لکھی ہے نہ کہ ایمان ویقین کے لیے، اس کی مثالیں بھی موجود ہیں مثلاً رسول اللہ ﷺ کی تاریخ ولادت میں اختلاف، معراج کی تاریخ میں اختلاف ہجرت کی تاریخ بھی اسی طرح، اور اسی طرح صحابہ رضی اللہ عنہم اجمعین کے متعلق کسی کی پیدائش مثلاً علی وحسنین کریمین رضی اللہ عنہم اجمعین کی تاریخ ولادت میں اختلاف اور اس کے علاوہ بہت سارے حضرات کی تاریخ وفات میں اختلاف، اور بعض حضرات کی ازواج کی تعداد میں اختلاف، ان کی اولاد کی تعداد میں اختلاف، یہ مختلف اقوال بتاتے ہیں کہ تاریخ بغیر تحقیق کے لکھی گئی ہے، اب ہم صرف حضرت فاطمہ رضہ کی تاریخ ولادت اور وفات کے وقت سیدہ کی عمر میں جو اختلاف ہے اسکو قارئین کے نظر کرتے ہیں مثلاً: محمد بن یعقوب کلینی نے حضرت محمد باقر رحمہ اللہ سے روایت کیا ہے کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ولادت 20 جمادی الثانی نبوت ملنے کے پانچ سال بعد ہوئی,, اور جلاء العیون میں باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ ولادت دوسرے سال بعثت میں ہوئی، اور بعضوں نے کہا کہ، پانچویں سال بعثت میں ہوئی۔ اور اہل سنّت نے روایت کی ہے کہ ولادت سیدہ رضی اللہ عنہا پانچ سال قبل بعثت واقع ہوئی۔ اور نکاح کی تاریخ میں اختلاف مثلاً۔ نکاح 21 محرم 3 ہجری میں ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ نکاح چند روز شوال کے گزرنے پر ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ 6 ذی الحجہ کو ہوا، اور بعض مخالفین نے کہا صفر میں بعد ایک سال ہجرت کے ہوا، اور بعضوں نے کہا، کہ مراجعت جنگ بدر کے واقع ہوا۔ جلاء العیون ص 191 بیان تزویج فاطمہ۔ اور نجم الحسن کراروی نے لکھا ہے کہ یکم ذی الحجہ 2 ہجری میں ہوا۔ اور ایک قول یہ ہے کہ 5 رجب 2 ہجری میں ہوا۔

(چودہ ستارے ص 95)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

نوٹ: جب نکاح دو ہجری رجب میں ہوا ہے۔ تو پھر جلاء العیون فارسی میں ص 221 پر باقر مجلسی نے لکھا ہے کہ ولادت حضرت حسن کی نصف رمضان سال سوم ہجرت میں ہوئی، بعضوں نے سال دوم ہجرت بھی لکھا ہے۔ (دیکھو تاریخ کا کمال 5 رجب 2 ہجری میں نکاح اور اسی سال نصف رمضان 2 ہجری یعنی دو مہینے 10 دن میں بیٹا پیدا ہوا)

اور اسی طرح حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کی وفات میں اختلاف مثلاً مجلسی نے لکھا ہے کہ مدت حیات فاطمہؑ میں بعد رسول علماء فریقین میں بہت اختلاف ہے۔ مگر چھ مہینہ سے زیادہ اور چالیس روز سے کم کسی نے نہ لکھا۔ اور واضح ہو کہ احادیث معتبرہ اس پر دلالت کرتی ہیں کہ زندگی جناب سیدہ کی بعد رسول پچھتر روز تھی، (دوسرا قول) ابو الفرح اصفہانی نے کتاب مقاتل الطالبین میں جناب امام محمد باقر سے روایت کی ہے۔ کہ مدت زندگی جناب سیدہ بعد رسول تین ماہ تھی۔ (تیسرا قول) اور اکثر علمائے امامیہ نے کہا ہے کہ تیسری جمادی الثانی کو وفات ہوئی اور یہ قول حدیث پچہتر روز والی کے خلاف ہے۔ بلکہ موافق حدیث چاہیے کہ اوائل جمادی الاول میں ہوئی ہو۔ (چوتھا قول) شیخ طوسی نے مصباح میں ابن عباس سے روایت کی ہے کہ اکیسویں رجب کو وفات ہوئی اور یہ قول بہت بعید ہے (پانچواں قول) اور کشف الغمہ میں تیسری شب ماہ رمضان کی منقول ہے، (چھٹا قول) اور ابن شہر آشوب نے تیرھویں ربیع الثانی کی نقل کی ہے اور محمد ابن جریر طبری امامی نے جناب صادق سے روایت کی ہے کہ تیسری جمادی الآخر گیارہویں سال ہجرت سے واقع ہوئی۔ (جلاء العیون ج 1 ص 248)

اور آپ کی عمر میں اختلاف ہے ایک قول ہے وفات کے وقت عمر 18 سال تھی ایک قول کے مطابق وفات 29 سال تھی۔ اور بعضوں نے کہا ہے 35 سال اور بعضوں نے 37 سال اور بعضوں نے 38 سال بھی کہی ہے۔ (جلاء العیون صفحہ 256)

یہ سارے تاریخی اختلافات بتا رہے ہیں کہ لکھنے والوں میں سے جس نے جہاں سے کوئی بات سنی بغیر تحقیق کے تاریخ میں لکھ دی، لھذا ماضی کی تاریخ سے کوئی یقینی نتیجہ نہیں نکالا جاسکتا۔ جو لوگ ماضی کی تاریخ کو پڑھ کر فیصلہ کرتے ہیں اور نتیجہ میں کسی مسلمان اور مؤمن کو ظالم، کافر، منافق یا دین کا دشمن تصور کرتے ہیں ان کے لیے دعوت فکر ہے کہ وہ تاریخ پر ایسا بھروسہ واعتماد کر کے کسی مسلمان و مؤمن پر بدگمانی نہ کریں، خصوصاً صحابہ کرام رضوان اللہ علیہم اجمعین میں سے کسی ایک بھی صحابی میں ایسی بدگمانی کر کے مثلاً کسی صحابیِ رسول ﷺ کو ظالم، کافر، منافق یا دین کا دشمن سمجھ کر اپنی آخرت برباد نہ کریں، اور ایسے افراد کو ہمارا مشورہ ہے کہ وہ تاریخ کی حیثیت سمجھنے کے لیے کم از کم پاکستان کی صرف ایک سپریم کورٹ کے وہ فیصلہ جات پڑھیں جو ججز حضرات نے کئی سال کیس کی سماعت فرمائی اور پانچ پانچ سال یا اس سے بھی زیادہ عرصہ ایک ایک کیس کی تحقیق میں صرف کیے، اور تحقیق عمیق کے بعد

انہوں نے تحریراً فیصلہ سنایا کہ عدالت عالیہ نے فلاں ملزم کو انصاف کرکے عمر قید یا پھانسی کا حکم سنایا یا کسی ملزم کو انصاف کرکے باعزت بری کر دیا وغیرہ تو کیا کوئی غیر جانبدار اس پر یقین کرکے قسم کھا کر کہہ سکتا ہے کہ یہ سارے فیصلے صحیح ہیں؟(ہر گز نہیں) کیونکہ مجھے یقین ہے کہ ہر کوئی غیر جانبدار شخص اس طرح کا یقین نہیں کر سکتا۔ بلکہ وہ بہت سارے احتمالات ظاہر کریگا کہ شاید گواہ جھوٹے ہوں یا کسی سیاسی دباؤ کی وجہ سے یا کسی ذاتی دشمنی کی وجہ سے یا رشوت لینے کی وجہ سے یا کسی خوف کی وجہ سے فیصلہ دیا گیا ہو- اور یہ بھی کوئی غور کرے کہ کسی کے خلاف جب کوئی مقدمہ درج کیا جاتا ہے تو کیا اس وقت ایف آئی آر میں جو کچھ بھی لکھا جاتا ہے وہ انصاف سے ہوتا ہے؟ یا وہ خود ناانصافی پر مبنی ہوتا ہے؟ لھذا اس تاریخی حیثیت پر غور کرنے کے بعد میرے خیال میں تو کوئی بھی باانصاف, منصف مزاج اور جس کے دل میں اللہ تعالی کا ذرہ بھر بھی خوف ہو گا، وہ قطعاً کسی تاریخی بات کی وجہ سے کسی بھی مسلمان کے خلاف یقین کے ساتھ غلط پروپیگنڈا کرنے کی جرأت نہیں کر سکے گا، ہاں اگر کسی کی اپنی تحریر یا تقریر ہو اور اس کا مطلب بھی واضح ہو اس میں کسی دوسرے معنیٰ کا احتمال نہ ہو اور وہ خود ایک نظریہ بیان کر رہا ہو اگر بالفرض وہ نظریہ نصوص قطعیہ مثلاً قرآن مجید کی محکم آیات یا متواتر روایات کی وجہ سے امت مسلمہ کے اجماعی عقیدہ کے خلاف ہو تو امت مسلمہ کے علماء محققین کا دینی اور ملی فرض ہے کہ وہ ایسے شخص کی رہنمائی کرتے ہوئے اس کفریہ نظریہ کی تردید کرکے ایسے شخص کو، یا بے خبری میں اس کی اتباع کرنے والوں کو اس کفریہ نظریہ سے آگاہ کریں اور اس کو کفر سے بچانے کی حتی المقدور سعی کریں۔

معجزہ اور کرامت سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا

کسی بھی نبی کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا ایسا اظہار فرمائے جو خارق العادات ہو، یعنی عادتاً اور قانوناً اس طرح نہیں ہوتا ہو، بلکہ اللہ تعالیٰ نے عادت اور قانون کو توڑ کر محض اپنی قدرت سے کرکے دکھایا مثلاً: لاٹھی سے سانپ بننا، پتھر پر لاٹھی مارنے سے چشموں کا جاری ہونا، انگلی کے اشارے سے چاند کا ٹوٹ جانا، ایک چھوٹے سے پیالے سے پی کر ستر صحابہ کرام کا سیر ہونا وغیرہ وغیرہ، اس کو معجزہ کہا جاتا ہے اور کسی غیر نبی مؤمن صالح کے ہاتھ پر اللہ تعالی اس قسم کی قدرت کا اظہار فرمائے تو اس کو کرامت کہا جاتا ہے معجزہ اصل ہے اور کرامت اس کی فرع ہے۔ معجزہ اور کرامت سے صاحب معجزہ کی طاقت اور صاحب کرامت کی طاقت اور قدرت کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا یعنی یہ عقیدہ نہیں رکھا جائے گا کہ اس نبی یا مؤمن صالح کو اس قسم کی طاقت دی گئی ہے کہ وہ اس عطائی طاقت سے اس طرح خارق العادات کام کرتا رہے، کیوں کہ معجزہ اور کرامت میں فعال حقیقی اللہ تعالی ہی ہوتا ہے اور کسی نبی یا مؤمن، موحّد، پرہیزگار کے ہاتھ پر اللہ تعالیٰ اپنی قدرت کا اظہار کرکے اس نبی اور مؤمن صالح کے عند اللہ مقبول و محبوب ہونے

کو ظاہر کرنا چاہتا ہے، اور کبھی کبھار کوئی خارق العادات چیز کسی مشرک اور کافر کے ہاتھ پر بھی ظاہر ہوتی ہے، اس کو استدراج کہتے ہیں۔ اور استدراج اس لیے ہوتا ہے کہ ایمان والوں کا امتحان ہو کہ وہ اللہ اور اس کے رسول کے بتائے ہوئے دلائل و قانون پر چلتے ہیں یا صرف ظاہر میں کوئی چیز دیکھ کر اللہ اور اس کے رسول کے قانون کو چھوڑ کر اس ظاہری چیز کے پیچھے چلتے ہیں۔

اس قسم کے واقعات وقتاً فوقتاً مشاہدہ میں آتے رہتے ہیں اور دجال کے متعلق ایسی چیزوں کا صادر ہونا خود رسول اللہ ﷺ کے ارشادات کے مطابق کتب احادیث میں مذکور ہیں، بہر حال معجزہ و کرامت میں فاعل حقیقی صرف اللہ تعالی کی ذات ہوتی ہے اس لیے معجزہ و کرامت سے کسی نبی یا ولی کی ذاتی یا عطائی طاقت کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ معجزہ و کرامت دکھانے کی قوت کسی رسول یا ولی کو نہیں دی گئی، معجزہ و کرامت کا صادر ہونا صرف اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتا ہے حتی کہ کوئی رسول یا نبی اپنی طرف سے انتہائی خواہش رکھنے کے باوجود بھی معجزہ نہیں دکھا سکتا۔

دلیل (1) وَمَا كَانَ لِرَسُوْلٍ اَنْ يَّاْتِيَ بِاٰيَةٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ (سورت الرعد آیت 38)

ترجمہ: کسی رسول کے لیے (طاقت) نہیں ہے کہ اللّٰہ کے اذن کے بغیر کوئی معجزہ لا کر دکھا سکے

دلیل (2) "وَمَا كَانَ لَنَاۤ اَنْ نَّاْتِيَكُمْ بِسُلْطٰنٍ اِلَّا بِاِذْنِ اللّٰهِ" (سورت ابراہیم آیت 11)

ترجمہ: نہیں ہے ہمارے لیے کوئی طاقت کہ ہم کوئی معجزہ اللہ کے اذن کے بغیر لا کر دکھا سکیں۔

اس آیت کریمہ سے پہلے اللہ تعالی نے نوح علیہ السلام کی قوم اور عاد و ثمود جیسے کفار کا اپنے رسولوں سے جو مکالمہ کرتے تھے اس کا

ذکر فرمایا اور کافروں کا کہنا نقل کیا "فاتونا بسلطان مبین" کہ اللہ کے رسولوں کو انہوں نے کہا کہ کوئی معجزہ لا کر دکھاؤ، اس کے جواب میں اللہ تعالیٰ نے رسولوں کا جواب نقل کیا کہ انہوں نے اپنی قوم کو کہا کہ ہمیں کوئی طاقت نہیں ہے کہ اللہ کی اجازت کے بغیر کوئی معجزہ دکھا سکیں۔ اور اس کے علاوہ آپ ﷺ کے بارے میں آپ علیہ السلام کے مخالف کہتے تھے۔ "لَوْلَاۤ اُنْزِلَ عَلَيْهِ اٰيَةٌ مِّنْ رَّبِّهٖ" اس پر اس کے رب کی طرف سے کوئی معجزہ کیوں نہیں اترتا، تو اللہ تعالی نے اپنے محبوب نبی ﷺ سے ان کو جواب دلوایا" فَقُلْ اِنَّمَا الْغَيْبُ لِلّٰهِ فَانْتَظِرُوْا اِنِّيْ مَعَكُمْ مِّنَ الْمُنْتَظِرِيْنَ" پس آپ فرما دیجیے کہ غیب کا جاننا صرف اللہ کے لیے ہے تم انتظار کرو تمہارے ساتھ میں بھی معجزے کا انتظار کرتا ہوں۔ (سورت یونس آیت 20)

اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفتی احمد یار بریلوی نے لکھا ہے کہ اس آیت میں غیب سے مراد عالم ملکوت ہے جو ہم لوگوں (مخلوق) سے پوشیدہ ہے جہاں سے آیات قرآنیہ اور انبیاء کرام کے معجزات اترتے ہیں تو مقصد یہ ہے کہ تمہارے مطلوبہ معجزات ظاہر کرنے پر میں محمد بذات خود قادر نہیں ہوں۔ (تفسیر نور العرفان صفحہ 253) اور اس آیت کریمہ کی تفسیر میں مفتی نعیم الدین بریلوی نے لکھا ہے کہ قرآن پاک کا ظاہر ہونا بہت ہی عظیم الشان معجزہ ہے اور جب ایسی قوی برہان قائم ہے، تو اثبات نبوت کے لیے کسی دوسری نشانی کا طلب کرنا قطعاً غیر ضروری ہے ایسی حالت میں اس نشانی (معجزہ) کا نازل کرنا یا نہ کرنا اللہ تعالیٰ کی مشیت پر ہے وہ چاہے تو معجزہ نازل کرے چاہے تو نہ کرے، تو یہ امر غیب ہوا اس (غیبی امر) کے لیے (رسول اور امت) کو انتظار (کرنا) لازم آیا کہ اللہ تعالیٰ کیا کرتا ہے۔ (خزائن العرفان سورہ یونس کی آیت 20 کی تفسیر میں) اور اس کے علاوہ ایک آیت میں یوں فرمایا:

"وَإِنْ كَانَ كَبُرَ عَلَيْكَ إِعْرَاضُهُمْ فَإِنِ اسْتَطَعْتَ أَنْ تَبْتَغِيَ نَفَقًا فِي الْأَرْضِ أَوْ سُلَّمًا فِي السَّمَاءِ فَتَأْتِيَهُمْ بِآيَةٍ، وَلَوْ شَاءَ اللَّهُ لَجَمَعَهُمْ عَلَى الْهُدَى فَلَا تَكُونَنَّ مِنَ الْجَاهِلِينَ" ترجمہ: اور اگر ان کا اعراض کرنا یعنی ہدایت سے منہ پھیرنا آپ پر گراں گزرتا ہے تو اگر آپ سے ہو سکے تو زمین میں کوئی سرنگ تلاش کرو یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگا کر ان کے لیے کوئی معجزہ لے کر آؤ اور اللہ اگر چاہتا تو البتہ سب لوگوں کو (جبراً) ہدایت پر جمع کر دیتا، پس تو نادانوں میں سے نہ بن۔ (سورہ انعام آیت 35)

نوٹ: مخالفین کی طرف سے ہمارے آقا ﷺ سے معجزات کا مطالبہ ہوتا تھا تو آپ ﷺ کا بھی یہی مقصد ہوا کہ کاش کہ اللہ تعالی ان کا مطلوبہ معجزہ نازل فرمائے تاکہ وہ لوگ اس معجزہ کی وجہ سے ایمان لا کر جہنم سے بچ جائیں، لیکن اللہ تعالی نے آپ ﷺ کی ایسی تمنا کو دل سے نکالنے کے لیے صاف لفظوں میں فرمایا کہ اگر آپ سے ہو سکے تو آپ زمین میں سرنگ لگا کر کوئی معجزہ دکھائیں یا آسمان میں سیڑھی لگا کر ان کا مطالبہ پورا کریں ان آیات سے واضح طور پر معلوم ہوا کہ معجزہ دکھانا کسی نبی کے بس میں نہیں تھا اور معجزہ دکھانے کی طاقت کسی نبی اور رسول کو نہ ذاتی تھی نہ عطائی تھی اور بعض اوقات خود صاحب معجزہ کو معجزے کے ظاہر ہونے سے پہلے علم نہیں ہوتا کہ تھوڑی دیر کے بعد کیا ہونے والا ہے۔ کمال اللہ تعالی : فَإِذَا حِبَالُهُمْ وَعِصِيُّهُمْ يُخَيَّلُ إِلَيْهِ مِنْ سِحْرِهِمْ أَنَّهَا تَسْعَىٰ فَأَوْجَسَ فِي نَفْسِهِ خِيفَةً مُوسَىٰ قُلْنَا لَا تَخَفْ إِنَّكَ أَنْتَ الْأَعْلَىٰ وَأَلْقِ مَا فِي يَمِينِكَ تَلْقَفْ مَا صَنَعُوا إِنَّمَا صَنَعُوا كَيْدُ سَاحِرٍ وَلَا يُفْلِحُ السَّاحِرُ حَيْثُ أَتَىٰ فَأُلْقِيَ السَّحَرَةُ سُجَّدًا قَالُوا آمَنَّا بِرَبِّ هَارُونَ وَمُوسَىٰ۔ (سورت طہ آیت 66 تا 70)

ترجمہ: حضرت موسیٰ کے مقابلے میں جب جادوگروں نے اپنی رسیاں اور لاٹھیاں جادو کے ذریعے سے پھینک دیں تو حضرت موسیٰ کی نظر میں وہ دوڑنے لگے پس حضرت موسیٰ علیہ السلام اپنے دل میں ڈرنے لگے ہم نے کہا کہ کوئی خوف نہ کر آپ ہی غالب ہوں گے،

اور جو آپ کے ہاتھ میں ہے آپ بھی اس کو میدان میں ڈال دیں جب موسیٰ علیہ السلام نے اپنی لاٹھی کو میدان میں ڈال دیا تو جادو گروں نے جو کچھ بنایا تھا اس نے ہڑپ کر دیا، یہ دیکھتے ہی تمام جادو گروں نے ایمان لا کر حضرت موسیٰ اور حضرت ہارون کی نبوت کو قبول کر لیا۔(سورہ طہ آیت 66 تا 70)

نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے معجزے سے فرعون اور جادو گروں کی شکست ہوئی تھی اور یہ حضرت موسی علیہ السلام کے لیے بڑی مسرت اور خوشی کی بات تھی نہ کہ ڈر کی اور اس سے بھی زیادہ بڑی خوشی کی بات یہ تھی کہ خود جادو گر حضرت موسیٰ پر ایمان لائے اور ایسا مضبوط ایمان کہ فرعون کو کہنے لگے کہ " فاقض ما انت قاض " کہ جو کر سکتے ہو کر گزرو لیکن ہم ایمان کو ہر گز نہیں چھوڑیں گے۔ حضرت موسیٰ کے لیے یہ دونوں باتیں انتہائی مسرت اور کامیابی کی تھی لیکن معجزہ ظاہر ہونے سے تھوڑی دیر پہلے حضرت موسیٰ کو کوئی علم نہیں کہ میرے ہی معجزے سے کتنی خوشی اور کامیابی ہونے والی ہے بلکہ عدم علم کی وجہ سے جادو گروں کے جادو کو دیکھ کر دل ہی دل میں ڈر رہے تھے۔ اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا میں حطیم کعبہ میں کھڑا تھا اور قریش مجھ سے واقعہ معراج کے بارے میں سوالات کر رہے تھے، انہوں نے مجھ سے بیت المقدس کی کچھ نشانیاں پوچھیں جن کو میں نے محفوظ نہیں رکھا تھا جس کی وجہ سے میں اتنا پریشان ہوا کہ اس سے پہلے اتنا کبھی پریشان نہیں ہوا تھا تب اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس کو اٹھا کر میرے سامنے لایا، میں اس کو اپنے سامنے دیکھ رہا تھا، وہ مجھ سے بیت المقدس کی نشانیاں پوچھتے رہے، اور میں دیکھ دیکھ کر بیان کرتا رہا۔

(صحیح مسلم / کتاب الایمان باب الاسراء برسول اللہ ﷺ رقم الحدیث 338)

اس سے معلوم ہوا کہ کسی بھی صاحب معجزہ سے کوئی معجزہ نہ ذاتی طاقت سے ظاہر ہوتا ہے نہ عطائی طاقت سے بلکہ معجزے کا ظہور صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کی طاقت سے ہوتا ہے اور خود صاحب معجزہ کو تھوڑی دیر پہلے پتا تک نہیں ہوتا اس لیے کسی بھی خارق العادات معجزے سے صاحب معجزہ کی طاقت کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

خلاصہ:(1) اللہ کے اذن کے بغیر کوئی نبی یا رسول معجزہ دکھانے کی طاقت نہیں رکھتا۔ الرعد آیت 38، ابراھیم آیت 11-

(2) معجزہ عالم ملکوت سے اترتا ہے جو مخلوق سے پوشیدہ ہے اور غیب ہے، اس لئے معجزہ کا ظاہر ہونا یا نہ ہونا علم غیب میں سے ہے اس لیے "فَانتَظِرُوا إِنِّي مَعَكُم مِّنَ الْمُنتَظِرِينَ" فرما کر رسول اللہ ﷺ نے ان کو فرمایا کہ اس غیب کا تم بھی انتظار کرو میں بھی انتظار کرتا

ہوں یعنی تمہارے مطلوبہ معجزات ظاہر کرنے پر نہ تو میں بذات خود قادر ہوں اور نہ ہی آپ کو بتا سکتا ہوں کہ آیا کوئی معجزہ ظاہر ہو گا یا نہ ہو گا بلکہ تم بھی انتظار کرو اور میں بھی انتظار کرتا ہوں کہ اللہ تعالیٰ اپنی مشیت سے کیا کرتا ہے۔(یونس آیت 20 نور العرفان اور خزائن العرفان اس آیت کی تفسیر میں)(3) جب رسول اللہ ﷺ پر ان لوگوں کا معجزہ کے بغیر ایمان لانا شاق اور گراں گزرا تو اللہ تعالیٰ نے آپ ﷺ کو اس طرح سمجھایا کہ اگر آپ ﷺ کو طاقت ہے تو زمین میں سرنگ لگا کر یا آسمان میں زینہ لگا کر زمین یا آسمان سے ان کو کوئی معجزہ دکھا سکتے ہو تو ان کو معجزہ دکھا کر مسلمان بناؤ(لیکن آپکو معجزہ دکھانے کی نہ ذاتی طاقت ہے نہ عطائی کیونکہ معجزہ دکھانا آپ کے اختیار میں نہیں ہے)(الانعام آیت 35)(4) بعض اوقات خود صاحب معجزہ کو معجزہ ظاہر ہونے سے تھوڑی دیر پہلے خبر تک نہیں ہوتی کہ تھوڑی دیر کے بعد کیا ہونے والا ہے سورہ طہ آیت 66 تا 70

نتیجہ: اگرچہ انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر بہت سارے معجزات ظاہر ہوتے تھے جو ان کی نبوت اور عند اللہ مقبولیت کی دلیل ہوتے تھے اور ان میں سے مخالفین کے مطلوبہ معجزات انبیاء علیہم السلام کے ہاتھوں پر اللہ کی قدرت سے ظاہر ہوتے تھے اور بعض اوقات ان معجزات کو دیکھ کر ایمان بھی لے آتے تھے لیکن باوجود اس کے وہ معجزات صرف اور صرف اللہ کی مشیت پر موقوف ہوتے تھے اور اس معجزے کا حقیقی فاعل اللہ تعالیٰ ہی ہوتا ہے۔اور تمام امت کا اتفاق ہے کہ کسی بھی خارق العادات معجزے سے کسی نبی کی ظاہری یا غیبی طاقت کا عقیدہ ثابت نہیں ہوتا اگرچہ وہ معجزہ مستقل طور پر نبی کے ہاتھ پر ظاہر ہوتا رہے یا وہ مستقل طور پر نبی کے ہاتھ نہ رہے، لہذا معجزہ صاحب معجزہ کی عند اللہ مقبولیت کی دلیل تو بن سکتا ہے، لیکن اس کی غیبی طاقت کی دلیل نہیں بنتا کیونکہ کوئی بھی معجزہ کسی نبی کی طاقت سے ظاہر نہیں ہوتا بلکہ معجزہ صرف اللہ تعالیٰ کی طاقت سے ظاہر ہوتا ہے۔

نوٹ: کرامت معجزہ کی فرع ہے اور اس کی بھی یہی حقیقت ہے۔

شعر اور شاعری سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا

شعر اور شاعری سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا، کسی بھی شعر پڑھنے سے شاعر کے عقیدے کا فیصلہ نہیں کیا جا سکتا جب تک وہ شاعر خود اپنے شعر کی وضاحت نہ کرے، کیوں کہ شاعر اپنے شعر میں کبھی ماحول کے خیالات کی تعبیر کرتا ہے۔ مثلاً ماحول میں اگر کسی سے محبت کا رجحان ہے اور لوگ اس کی تعریف میں اپنے خیالات کا اظہار نظم یا نثر میں کرتے ہیں۔ تو ایک شاعر ان کے خیالات کی ترجمانی کرتے ہوئے اس شخصیت کے بارے میں تعریف کرتے ہوئے کوئی نظم یا چند اشعار بنا کر پیش کرتا ہے تا کہ لوگ اس

[Website: DifaAhleSunnat.com]

شاعر کے الفاظ میں اپنی پسندیدہ شخصیت کی تعریف کرتے رہیں جیسا کے بہت سارے غیر مسلموں نے ہمارے آقا ﷺ کے متعلق بڑے بڑے اشعار لکھے ہیں لیکن باوجود اس کے ان شاعروں کو غیر مسلم ہی کہا جاتا ہے، نہ کہ مسلمان۔اور دوسری بات یہ ہے کہ شاعر اپنے شعر میں کبھی اپنے آپ کو غائب، کبھی حاضر، کبھی متکلم، کبھی مخاطب کرکے پیش کرتا ہے اور اسی طرح اسلامی شعر لکھنے والے اپنے شعروں میں کبھی عالم ارواح، کبھی عالم دنیا، کبھی عالم برزخ، کبھی عالم آخرت کو تصور میں لاکر اپنا شعر بناتے ہیں لیکن اس کا واضح طور پر ذکر نہیں کرتے، کلام مطلق ہوگا لیکن شاعر کے تخیل میں وہ زمانہ مقید ہوگا۔

مثلاً: قیامت کے دن کا منظر رسول اللہ ﷺ نے بیان فرمایا ہے کہ حساب وکتاب ہونے سے پہلے لوگ تنگ آکر حضرت آدم علیہ السلام سے عرض کریں گے آپ اللہ تعالی کے دربار میں ہماری طرف سے عرض کریں کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کا حساب جاری فرمائے لیکن حضرت آدم علیہ السلام اپنا عذر بتاکر لوگوں کو حضرت نوح علیہ السلام کی طرف بھیجیں گے اسی طرح ہر نبی دوسرے نبی کی طرف بھیجتا رہے گا آخر تمام لوگ مصطفی کریم ﷺ سے عرض کریں گے کہ آپ ہماری مدد فرمائیں، ہماری طرف سے اللہ تعالیٰ کے دربار میں ہمارے سفارشی اور شفاعتی بن کر عرض کریں کہ وہ بندوں کا حساب جاری فرمائے، اس وقت آقائے دوجہاں ﷺ بارگاہ الٰہی میں سجدہ فرمائیں گے اور اللہ تعالیٰ کی بے مثال تعریف کریں گے اور لمبے سجدے کے بعد جو کہ تقریباً ایک ہفتے کا سجدہ ہوگا لوگوں کی سفارش کریں گے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے سفارش قبول کی جائے گی اور حساب شروع کیا جائے گا۔

اس منظر کو سامنے رکھ کر بہت سارے بزرگانِ دین وعلماء کرام نے اپنے شعروں میں اپنے آپ کو عالم آخرت میں تصور کرکے اور رسول اللہ ﷺ کو اس میدان میں اپنے سامنے موجود خیال کرکے مدد مانگنے کو اپنے شعروں میں ذکر کیا ہے جس سے کم فہم لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ان حضرات نے رسول اللہ ﷺ کو دنیا میں حاضر وناظر سمجھ کر پکارا ہے، اور دنیا کے معاملے میں آپ کو مشکل کشا و مددگار سمجھ کر مدد کے لیے پکار رہے ہیں۔ حالانکہ اس طرح ہوتا نہیں، اس بنا پر ہم کہتے ہیں کہ کسی کی شعر وشاعری سے اس کا عقیدہ ثابت نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنی شاعری کے تخیل کو خود واضح نہ کرے۔

(4) خواب سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کسی بھی غیر نبی کے خواب سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا کیونکہ خواب اپنی تعبیر میں بند ہوتا ہے اور جب تک وہ تعبیر عملی طور پر ظاہر نہ ہو تب تک کوئی علم نہیں کہ اس کی حقیقی تعبیر کیا ہے۔ اور اگر کوئی اہل علم کسی خواب کی تعبیر کرے لیکن پھر بھی وہ تعبیر یقینی نہیں ہوتی۔ باقی کسی خواب کی نبی کی بتائی ہوئی تعبیر اس سے مستثنیٰ ہے۔

ایک خواب اور اس پر فتوی

مرشد الموحدین حضرت سائیں عبد الکریم رحمہ اللہ بیر شریف والوں نے لکھا ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز محدث دہلوی کے زمانے کی بات ہے کہ ہندوستان میں ایک مسلمان نے اپنے بیمار رشتیدار کے لیے خواب دیکھا جو کہ بڑے عرصہ سے سخت بیمار لاعلاج مریض تھا۔ اس مسلمان کو نیند میں ایک بزرگ کہہ رہا تھا کہ فلاں دیوی کے آستانے پے جاکر چڑھاوا چڑھاؤ اور خون گراؤ تا کہ بیمار صحت مند ہو سکے، اس پر مسلمان نے اس بزرگ سے پوچھا کہ تو کون ہے؟ بزرگ نے کہا میں رسول اللہ ہوں، وہ بیدار ہو گیا لیکن وہ بے حد حیران ہوا اور کہا ہم مسلمانوں کا دیویوں کے آستانوں سے کیا تعلق، دوسرا یہ کہ ایسا حکم دیا گیا جو کہ شرک ہے، اور دین اسلام میں حرام ہے دوسری مرتبہ بھی ایسا ہی خواب دیکھا آخر کار اپنے مطلب کے لیے مجبور ہو کر ایسا کیا اور اس دیوی کے آستانے پے جاکر بکری ذبح کر آیا ادھر سے مریض بھی صحت مند ہو گیا یہ مسئلہ اس وقت کے عالموں سے پوچھنا شروع کیا لیکن وہ مذکورہ حدیث (کہ خواب میں شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا) کی وجہ سے جواب دینے سے قاصر رہے کہ اب اس کا کیا جواب دیں، رفتہ رفتہ مسئلہ آخر کار شاہ صاحب کے ہاں پہنچا جنہوں نے اسے عجیب انداز میں حل کیا۔ شاہ صاحب رحمہ اللہ نے سمجھایا کہ حضور ﷺ کی حدیث میں ہے کہ خواب میں شیطان میری شکل اختیار نہیں کر سکتا یہ بالکل ٹھیک ہے لیکن یہ نہیں فرمایا کہ شیطان اپنے لیے رسول اللہ ہونے کا دعویٰ بھی نہیں کر سکے گا، اس لیے اس کو شیطان سمجھنا چاہیے جس نے رسول ہونے کا دعوی کر کے لوگوں کو گمراہ کرنے اور مشرک بنانے کی کوشش کی۔ اللہ تعالی حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ کو جزاء خیر عطاء فرمائے جنہوں نے حضور ﷺ کی امت کو آپ کی حدیث کی توجیہ بیان فرما کر گمراہی اور شرک کے گرداب سے باہر نکال دیا۔ (فضائل النبی ترجمہ شمائل ترمذی مترجم امام العصر حضرت مولانا عبد الکریم قریشی نور اللہ مرقدہ)

نوٹ: اس سے معلوم ہوا کہ اِس زمانے میں کوئی شخص اگر رسول اللہ ﷺ کی نسبت خواب میں دیکھے کہ رسول اللہ مجھے کچھ فرما رہے ہیں تب بھی دھوکہ نہ کھائے کہ آپ ﷺ ہوں گے، کیونکہ اِس زمانے کا کوئی بھی بندہ رسول اللہ ﷺ کو یقین سے نہیں پہچان سکتا، تو ایسے خواب سے بھی کوئی دھوکہ نہ کھائے، لھذا خواب سے عقیدہ تو کیا عمل بھی ثابت نہیں ہو گا، اگر چہ رسول اللہ ﷺ کے متعلق خواب دیکھے کہ آقا ﷺ کوئی حکم فرما رہے ہیں، کیونکہ ایک تو رسول اللہ ﷺ کی یقینی پہچان نہیں ہوتی، اور دوسری بات یہ کہ جس کو خواب میں دیکھا جاتا ہے، اُسکو خود پتہ نہیں ہوتا کہ کسی نے مجھے خواب میں دیکھا ہے، لھذا خواب سے عقیدہ ثابت نہیں ہوتا۔

شیعہ مناظر سے بات کرنے کا اصول

اگر موضوع اسلام اور کفر ہو تو اس کا اصول اور طریق کار یہ ہے کہ سب سے پہلے موضوع مقرر کیا جائے۔

موضوع ایمانیات اور اس کی تنقیح

اگر موضوع ایمانیات ہو، تو موضوع اسطرح لکھا جائے گا کہ شیعہ مناظر اپنے مذہبی اصولوں پر رہ کر اپنے آپ کو مسلمان ثابت کرے۔اور اس کا طریقہ یہ ہو گا کہ سب سے پہلے شیعہ مناظر سے ان کی اپنی ایمانیات کو واضح طور پر تحریر کرایا جائے،اور اور اسکو کہا جائے کہ تو اپنی ایمانیات کی ان خاص خاص چیزوں کو ایک ورقے پر لکھ۔ جن چیزوں میں سے کسی ایک چیز کے عدم ذکر کرنے والے کو تم شیعہ مذہب کا ماننے والا تصور نہ کرو، اس کے بعد شیعہ مناظر اپنے مذہب کی کسی اصولی یا فروعی کتاب سے وہ ایمانیات دکھائے جو اس نے ورقے پر تحریر کی ہے۔اور اس کے بعد وہ اپنے ہی اصولوں کے مطابق اپنی معتبر ترین کتابوں میں سے صحیح ،صریح، غیر معارض روایت سے حضور خاتم الانبیاء والمعصومین ﷺ کے ارشاد مبارک سے اپنی بتائی ہوئی ایمانیات کو ثابت کرے، یعنی شیعہ مذہب میں جو ایمانیات ہیں وہ ثابت کرے گا کہ یہ ایمانیات ہمیں رسول اللہ ﷺ نے سکھائی ہیں، کیوں کہ امت کو ایمان سکھانا رسول اللہ ﷺ پر فرض تھا لہذا ایمان کے بارے میں کسی مبہم روایت یا غیر صحیح روایت یا معارض روایت سے ایمان ثابت نہیں ہو سکتا، ایمان کے بارے میں نص قطعی کی تصریح بھی ہونا لازمی ہے اس لیے کسی تاریخی حوالے یا غیر معتبر روایت یا کسی غیر نبی کے قول کو قبول نہیں کیا جائے گا۔ اس کے بعد شیعہ مناظر اپنا اصول تحریر کرے،یعنی جس اصول سے وہ رسول اللہ ﷺ کے بتائے ہوئے دین کو قبول کرتے ہیں یعنی رسول اللہ ﷺ کی حدیث کس قسم کے راویوں کی قبول کرتے ہیں، یا قرآن مجید کی کسی مبہم یا مجمل آیت کی تفسیر کس کی قبول کرتے ہیں، یا اسی طرح کسی آیت کی تاویل کس کی مانتے ہیں تا کہ اس اصول کے اندر رہ کر مناظرہ کیا جائے۔ اگر شیعہ مناظر نے اپنے مذہبی اصول پر رہ کر اپنی ایمانیات رسول اللہ ﷺ کے فرمان اقدس یعنی صحیح، صریح، غیر معارض، مرفوع حدیث سے ثابت کر دیا، اور ضروریات دین میں سے کسی چیز کا انکار بھی ان کے مذہب میں نہیں پایا گیا تو شیعہ مذہب کو اسلام سمجھا جائے گا۔ورنہ نہیں۔

موضوع خلافت اور اس کی تنقیح

اگر خلافت کے موضوع پر مناظرہ ہو تو اس کے لیے چند باتوں کا سمجھنا ضروری ہے تا کہ موضوع کی حقیقت کو سمجھنے کے بعد مناظرہ کیا جائے۔ سب سے پہلے یہ سمجھنا ہے کہ کس فریق پر خلافت کا ثابت کرنا لازم ہوتا ہے، اسکی وضاحت ضروری ہے۔

(1) فریقین میں سے جس فریق پر شرعا، قانوناً عقلا، نقلا خلافت کا ثابت کرنا لازم ہو وہ فریق اپنے مذہبی اصول پر رہ کر خلافت ثابت کرے۔ جس فریق پر شرعاً، قانوناً، عقلاً، نقلاً خلافت ثابت کرنا لازم ہو، اس سے چند باتوں کا سمجھنا ضروری ہے، مثلاً

(2) ان کے مذہب کے مطابق خلیفہ کا تقرر کون کرے گا یعنی خلیفہ کون بنائے گا؟ اللہ۔ رسول یا لوگ؟

(3) خلافت کیا ہے صرف دینی رہنمائی ہے، یا اس کے لیے حاکم وقت ہونا بھی لازمی ہے؟

(4) خلیفہ بنانے میں لوگوں کا کچھ دخل ہے یا کوئی دخل نہیں؟

(5) خلیفہ بننے کے بعد دین مکمل ہو گا یا خلیفہ بننے سے پہلے ہی دین مکمل ہے اور خلیفہ صرف اس مکمل دین کو نافذ کرے گا؟

(6) خلافت کیلیے شرائط کیا ہیں، یعنی وہ شرائط تحریر کریں جو خلیفہ میں لازم ہوں، جن میں سے کسی ایک کے بغیر خلیفہ نہ ہو سکے؟

(7) خلیفہ بنانا جس پر لازم تھا اس نے رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم کے بعد کسی کو خلیفہ بنایا، یا نہیں؟ اگر بنایا تو کس کو بنایا؟

(8) جس کو خلیفہ بنایا گیا اس کو خلیفہ بننے دیا گیا یا نہیں؟ یعنی اس کو خلافت ملی یا نہیں؟

(9) جس کو خلیفہ بنایا گیا اس سے خلافتِ چھینی گئ یا نہیں؟

(10) اب وہ پہلا خلیفہ ہے یا نہیں؟

(11) خلیفے کی ذمہ داری کیا ہے؟ اور لوگوں پر اس کے متعلق کیا حکم ہے؟

(12) خلیفہ نے اپنی ذمیداری کو پورا کیا یا وہ خلافت کی ذمیداری پوری نہ کر سکا؟

نوٹ: یاد رہے کہ مسئلہ خلافت میں شیعوں نے ہمیشہ امت مسلمہ سے دو دھوکے کیے ہیں ایک دھوکہ کے یہ کیا ہے کہتے ہیں کہ امت مسلمہ کا عالم یا مناظر حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت ثابت کرے کیونکہ تمہارا دعوی ہے کہ حضرت ابو بکر

صدیق رضی اللہ تعالی عنہ پہلا خلیفہ ہے جبکہ یہ محض دھوکہ ہے کیونکہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کے متعلق امت مسلمہ کا دعوی نہیں ہے اس چیز کو سمجھنے کے لیے کتاب الدعوی کا سمجھنا ضروری ہے یعنی دعوی کس کو کہا جاتا ہے؟ تو اس کے متعلق عرض ہے کہ دعویدار اس کو کہا جاتا ہے جس کے قبضے یعنی اس کی ملکیت اور ہاتھ میں کوئی چیز نہ ہو، بلکہ قبضہ کسی اور کا ہو، اور اس پر کوئی دوسرا دعوی کرے کہ جو چیز میرے قبضے میں نہیں ہے بلکہ کسی اور کے قبضے میں ہے وہ میری ہے، تو اس دعویدار کو مدعی، اور جس کے قبضے میں وہ چیز ہے اس کو مدعیٰ علیہ کہا جاتا ہے، تو مذکرہ مسئلے میں غور کر کرنے سے واضح ہوتا ہے کہ خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کے قبضے میں ملکیت میں اور ہاتھ میں ہے۔ لہذا خلافتِ حضرتِ ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ پر امت مسلمہ کا دعوی نہیں، بلکہ خلافت حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی ملکیت ہے، اور اس کے قبضہ میں ہے، اس لیے امت مسلمہ پر اس کا ثابت کرنا شرعاً، قانوناً، عقلاً و نقلاً لگتا ہی نہیں ہے، حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالی عنہ کو ماتحت الاسباب کے طور پر صحابہ کرام یعنی مہاجرین و انصار کی بیعت سے خلیفہ بنایا گیا، اور مافوق الاسباب کے طور پر اللہ تعالی کی مشیت اور ارادے سے خلیفہ مقرر ہو کر اللہ تعالی کے وعدے کے پورے ہونے کا مصداق بنا، کیونکہ اللہ تعالی نے سورۃ نور کی آیت نمبر 55 میں مؤمنین صالحین سے بغیر کسی کے نام لیے خلافت دینے کا وعدہ کیا تھا جب حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ خلیفہ مقرر ہوئے تو امت مسلمہ نے اس صورت میں اللہ تعالی کے وعدے کا پورا ہونا سمجھ کر اس کو پہلا خلیفہ مان لیا، اور امت مسلمہ کی حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت کا عدمِ دعوی کی ایک نشانی یہ بھی ہے کہ اگر بالفرض اس وقت صحابہ کرام حضرت ابو بکر صدیق کے علاوہ کسی دوسرے کی بیعت کر کے اس کو خلیفہ نامزد کرتے اور وہ خلیفہ بن کر رہتا تو اس وقت بھی امت مسلمہ انکار کر کے احتجاج نہ کرتی بلکہ پھر بھی اس کو صحابہ کرام جیسی سچی جماعت کا ماتحت الاسبات کے طور پر بنایا ہوا سچا خلیفہ مانتی اور اس وقت بھی مافوق الاسباب کے طور پر اللہ تعالی کا بنایا ہوا خلیفہ مان کر اللہ تعالی کو وعدہ پورا کرنے والا سمجھ کر اس کو اللہ تعالی کے وعدے کے مطابق سچا خلیفہ مانتی، کیونکہ امت مسلمہ کا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالی نے خلیفہ بنانے کا جو وعدہ کیا تھا اس میں ایک تو یہ شرط ہے کہ مؤمنین صالحین کو بنائے گا اور دوسرا یہ کہ منکم یعنی جو نزولِ آیت کے وقت مؤمن صالح تھے ان میں سے بنائے گا اور تیسرا یہ کہ کم سے کم تین کو بنائے گا کیوں کہ جمع کا صیغہ کم سے کم تین پر صادق آتا ہے، اور نام کسی کا نہیں لیا تھا، تو اس چیز کو دیکھنے کے بعد امت مسلمہ کا کسی کے لیے بھی بالاسم خلافت کا دعوی نہیں ہے، اور اسی طرح رسول اللہ ﷺ کے فرمان میں ہے کہ میرے بعد بہت سے خلیفے ہوں گے جن میں اچھے بھی ہوں گے اور کچھ برے بھی ہوں گے اور فرمایا کہ قیامت تک ایسے 12 خلیفے (حکمران) ہوں گے جن سے دین کو تقویت ملے گی، لیکن آپ ﷺ نے بھی نام کسی کا نہیں لیا، اس بنیاد پر بھی امت مسلمہ کسی نامزد خلیفے کا دعوی نہیں کرتی بلکہ نزولِ آیت کے وقت جو

مؤمنین صالحین تھے ان میں سے جو خلیفہ ہوا اس کو امت مسلمہ اللہ تعالی کے وعدے کے مطابق پہلا خلیفہ مانتی ہے، کیونکہ اللہ تعالی وعدہ خلافی کرنے سے پاک و منزّہ ہے۔ لہذا امت مسلمہ کا خلافتِ حضرت ابو بکر پر نہ دعوی ہے اور نہ ہی امتِ مسلمہ پر شرعاً، قانوناً، عقلاً، نقلاً، خلافت کا ثابت کرنا لگتا ہے۔

لیکن اس کے مقابلے میں شیعوں کا دعوی ہے کہ خلافت بلا فصل حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا حق ہے، اور حضرت ابو بکر کا مسند خلافت پر بیٹھنا ان کے نزدیک غاصبانہ قبضہ ہے یعنی حضرت ابو بکر کو خلیفہ بلا فصل وہ بھی کہتے ہیں اور مانتے بھی ہیں، کہ مسند خلافت پر بلا فاصلے کے بیٹھا وہی ہے یعنی خلیفہ بلا فصل ہوا، وہ ہی ہے، لیکن وہ فرق صرف یہ کرتے ہیں کہ اس کی خلافت غاصبانہ ہے، حق حضرت علی رضی اللہ تعالی عنہ کا تھا اس سے معلوم ہوا کہ خلافت کے متعلق دعوی شیعوں کا ہے اس لیے بار ثبوت بھی ان پر ہے، اس حقیقت کو سمجھنے کے بعد بات واضح ہوئی کہ شیعوں کا کسی مسلمان سے خلافتِ صدیق اکبر رضی اللہ تعالی عنہ پر دلیل کا مطالبہ کرنا یہ سراسر دھوکہ ہے۔ اور دوسرا دھوکہ یہ دیتے ہیں کہ امت مسلمہ کا کوئی عالم، قرآن و حدیث سے حضرت ابو بکر کا بلا سم خلیفہ ہونا ثابت کرے، یعنی اللہ تعالی نے قرآن میں حضرت ابو بکر صدیق کا نام لے کر اس کو خلیفہ کہا ہو۔ یا رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہو کہ میری وفات کے بعد ابو بکر پہلا خلیفہ ہے، یہ بھی دھوکہ ہے اور امت مسلمہ کے اصول کو نہ سمجھنے کی وجہ سے ہے، کیونکہ امت مسلمہ کا اصول یہ ہے کہ اللہ تعالی نے نزول آیت کے وقت جو مؤمن صالح تھے ان میں سے کم سے کم تین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا تھا، کیوں کہ "لیستخلفنھم" جمع کا صیغہ ہے جس میں کم از کم تین ہوتے ہیں یعنی تین کو خلیفہ بنانے کا وعدہ کیا ہے لیکن نام کسی کا بھی نہیں لیا اور اللہ تعالی کے رسول ﷺ نے بھی بہت سے خلفاء ہونے کا ارشاد فرمایا جن میں سے اچھے بھی ہوں گے اور کچھ برے بھی ہوں گے اور ایک روایت میں آپ ﷺ کا یہ بھی ارشاد ہے کہ قیامت تک 12 ایسے خلیفے ہوں گے جن سے دین کو تقویت ملے گی، لیکن آپ ﷺ نے بھی نام کسی کا نہیں لیا، ہاں ایک نشانی بتائی ہے کہ ان خلفاء کے دور میں مسلمانوں کی ایک جماعت اٹھے گی جو آلِ کسریٰ کے سفید محل فتح کرے گی، اور بحمد اللہِ و عونہ، وہ پیش گوئی حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ کی خلافت میں پوری ہوئی، اس سے معلوم ہوا کہ 12 خلفاء والی روایت میں حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالی عنہ ضرور شامل ہیں، اور بہر حال رسول اللہ ﷺ نے ایک خلیفے کی نشانی تو بتائی باقی آپ نے کسی بھی خلیفہ کا نام نہیں لیا، جب آقائے دوجہاں ﷺ نے اپنی وفات کے بعد کسی کے خلیفے ہونے کا نام نہیں بتایا، تو ایسی صورت میں امت مسلمہ سے بالاسم خلیفہ کا قرآن و حدیث سے ثبوت طلب کرنا بھی سراسر دھوکا ہے۔ اور جب سے شیعوں کے ان دو دھوکوں کو پکڑا گیا ہے، اور اس کے بعد ہمارے احباب میں سے کسی نے بھی کسی شیعہ سے

خلافت پر بات کی ہے، تو الحمدللہ اس شیعہ کی بولتی بند ہو گئی ہے، اور اس نے دوبارہ اس دوست سے مسئلہ خلافت پر بات کرنے کو ہمیشہ کے لیے ترک کر دیا ہے۔

شرائط:(1)

خلافت کو ثابت کرنے کے لیے فریقین میں سے جس فریق پر خلافت کا ثابت کرنا شرعاو قانونا لازم ہو گا وہ فریق اپنے مذہبی اصولوں پر رہ کر اپنے اپنے اصولوں کے مطابق خلافت ثابت کرے گا۔

موضوع کلمہ:

اگر مناظرہ کلمہ طیبہ پر ہو تو اس کے متعلق چند باتوں کو سمجھنا ضروری ہے۔

(1)شیعہ مناظر سے ان کا کلمہ لکھوایا جائے۔

(2)شیعہ مناظر سے یہ لکھوایا جائے کہ جو شخص آپ کے بتائے ہوئے کلمہ کو نہ پڑھے اس کے لیے کیا حکم ہے آیا وہ مؤمن ہے یا کافر یا منافق یا گمراہ؟

تا کہ پتا چلے کہ جو شخص شیعہ مذہب والا کلمہ نہیں پڑھتا اس کو نقصان کیا ہو گا اور جو ان کے مذہب کا کلمہ پڑھے گا اس کو فائدہ کیا ہو گا

(3)مسلمان اپنا دو جزء والا کلمہ لکھے گا، بعد میں شیعہ مناظر سے سوال کیا جائے گا کہ جو شخص صرف اس دو جزء والے کلمہ کو صدق دل سے مان کر پڑھتا ہے کیا وہ کبھی بھی جنت میں جا سکتا ہے یا نہیں؟ تا کہ پتہ چلے کہ جو شخص صرف دو جزء یعنی توحید اور رسالت والا کلمہ پڑھتا ہے اس کا نقصان کیا ہے۔

(4)شیعہ مناظر اپنے ہی اصول کے مطابق اپنی ہی کتابوں سے صحیح، صریح، غیر معارض روایات سے اپنا کلمہ ثابت کرے۔

(5)شیعہ مذہب میں کلمہ میں تین جملے بڑھائے جاتے ہیں، علی ولی اللہ وصی رسول اللہ وخلیفتہ بلا فصل ان میں سے ہر ایک کی حقیقت اور مطلب شیعہ محقق سے پوچھا جائے کہ ولی اللہ کے معنیٰ کیا ہے؟ اور وصی کے معنیٰ کیا ہے؟ اور خلیفے کا معنیٰ کیا ہے؟ جب وہ اسکا معنیٰ اور مطلب بتائے، پھر اپنے مذہب پر رہ کر ہر ایک معنیٰ کے مطابق علی رضہ کو ان تینوں کا مصداق ثابت کرے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

بریلویوں سے بات کرنے کا اصول اور طریقہ

اگر موضوع غیر اللہ سے مدد مانگنے کا ہے تو اس کے لیے چند باتوں کا سمجھنا ضروری ہے۔ استعانت یعنی مدد مانگنا دو قسم پر ہے "(1): ماتحت الاسباب" اس کو ظاہری مدد بھی کہہ سکتے ہیں یعنی جو کسی ظاہری سبب کے ذریعے سے مدد ہو، تو اس قسم کی مدد اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں سے مانگنا جائز ہے اور اس قسم کی استعانت کے متعلق اللہ تعالیٰ کا فرمان ہے۔

" وَتَعَاوَنُوْا عَلَى الْبِرِّ وَالتَّقْوٰى " یعنی نیک کام اور پرہیز گاری کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد کرو۔ " وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَى الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ " یعنی ظلم اور گناہ کے کاموں میں ایک دوسرے کی مدد نہ کرو۔(سورہ مائدہ آیت 2)

اس سے معلوم ہوا کہ ماتحت الاسباب معاملات میں ایک دوسرے کی ظاہری مدد کی جاسکتی ہے، لیکن وہ ظاہری مدد تب ہوگی جب کہ جس سے مدد مانگی جائے اس میں یہ تین باتیں پائی جائیں۔(1) وہ زندہ ہو (2) موجود ہو۔(3) جو مدد اس سے طلب کی جائے اس قسم کی مدد کرنے کی اس وقت اس کو طاقت بھی ہو۔

(2) استعانت کی دوسری قسم ،مافوق الاسباب استعانت" یعنی ایسی مدد جو ظاہری اسباب سے بالا تر ہو اور اس کو غیبی مدد بھی کہتے ہیں، اس قسم کی استعانت کے بارے میں اللہ تعالیٰ نے فرمایا:

"وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں سے بھی (غیبی) مدد ہونی ہی نہیں ہے۔(سورہ انفال آیت 10)

اور یہ جنگ بدر کا واقعہ بیان کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ نے فرمایا، اور جنگ بدر میں خود امام الانبیاء جو کائنات میں تمام مخلوق سے شان، مان ، مرتبہ، عزت اور عظمت میں سب سے اعلیٰ ہیں موجود تھے اور تین سو تیرہ صحابہ کرام جو انبیاء علیہم السلام کے بعد تمام کائنات کے اولیاء اللہ سے شان مان، مرتبہ ، عزت اور عظمت میں سب سے اعلیٰ ہیں وہ بھی موجود تھے لیکن باوجود اس کے اللہ تعالیٰ نے فرمایا: "وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ" یعنی اللہ تعالیٰ کے سوا کہیں سے بھی (غیبی) مدد ہونی ہی نہیں ہے۔ اور اس قسم کی مدد کے لیے اللہ تعالیٰ کو پکارنا اور اس سے دعا مانگنا عبادت کے زمرے میں آجاتی ہے۔ کما قال اللہ تعالیٰ: " وَقَالَ رَبُّكُمُ ادْعُوْنِيْٓ اَسْتَجِبْ لَكُمْ ""یعنی تمہارے رب کا اعلان ہے کہ مجھے پکارو میں قبول کرتا ہوں یقینا جو لوگ میری (اس پکارنے والی) عبادت سے تکبر کرتے ہیں عنقریب وہ جہنم میں داخل ہوں گے۔(سورہ مؤمن آیت 60)

[Website: DifaAhleSunnat.com]

اور جس طرح عبادت صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے اسی طرح "مافوق الاسباب "غیبی استعانت بھی صرف اور صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کما قال اللہ تعالی: " إِيَّاكَ نَعْبُدُ وَإِيَّاكَ نَسْتَعِينُ "یعنی ہم تیری ہی عبادت کرتے ہیں اور تجھ ہی سے مدد مانگتے ہیں۔

اس لیے جب غیر اللہ سے مدد مانگنے کے جواز یا عدم جواز یا شرک یا عدم شرک پر بات ہو گی تو سب سے پہلے استعانت کی قسم کو متعین کیا جائے گا کہ "ماتحت الاسباب " استعانت پر اختلاف ہے یا "مافوق الاسباب "غیبی استعانت پر بات ہو گی۔

موضوع علم غیب

اگر علم غیب پر مناظرہ ہو تو سب سے پہلے غیب کی تعریف کی جائے گی کہ غیب کس کو کہتے ہیں۔ غیب کی تعریف:

(1)"أن الغيب هو الذي يكون غائبا من الحاسة ثم هذا ينقسم إلى ما عليه دليل و الى مالا دليل عليه"

جمہور مفسرین کا قول ہے کہ غیب وہ ہے جو حواس سے چھپا ہوا ہو، اور اس کی دو قسمیں ہیں (1) جس پر کوئی دلیل ہو۔ (2) جس پر کوئی دلیل نہ ہو۔ (تفسیر کبیر سورہ بقرہ کی آیت "یؤمنون بالغیب" کی تفسیر میں، بحوالہ جاء الحق صفحہ 39)

(2)"وهو ما غاب عن الحس و العقل غيبة كاملة بحيث لا يدرك واحد منها ابتداء بطريق البداهة وهو قسمان قسم لا دليل عليه وهو الذي أريد بقوله وعنده مفاتح الغيب وقسم نصب عليه دليل كالصانع وصفاته وهو المراد بهذه الآية"

غیب وہ ہے جو حواس اور عقل سے پورا پورا مخفی ہو اس طرح کہ کسی ذریعے سے بھی ابتداء کھلم کھلا معلوم نہ ہو سکے۔ اور غیب کی دو قسمیں ہیں ایک قسم وہ ہے جس پر کوئی دلیل نہ ہو اور اللہ تعالی کے قول وعندہ مفاتح الغیب سے مراد وہی غیب ہے اور ایک قسم جس پر کوئی دلیل قائم ہو جیسے اللہ تعالی اور اس کی صفات اور یہی یؤمنون بالغیب سے مراد ہے۔

(3) اگر کوئی آلہ چھپی ہوئی چیز کو ظاہر کر دے پھر ظاہر ہو جانے کے بعد ہم اس کو معلوم کر لیں تو یہ علم غیب نہیں ہے۔

(تفسیر روح البیان سورہ بقرہ کی آیت "یؤمنون بالغیب" کی تفسیر میں جاء الحق صفحہ 40)

(4) علامہ عبد العزیز پرہاروی نے اپنی کتاب "نبراس شرح العقائد نسفیہ" میں لکھا ہے۔

"التحقيق أن الغيب ما غاب عن الحواس والعلم الضروري (وحي، الهام يا القاء) والعلم الاستدلالى (علامات ودلائل) وقد نطق

القرآن بنفی علمہ عمن سواہ تعالیٰ فمن ادعی انہ یعلمہ کفر و من صدق المدعی کفر و اما ما علم بحاسة أو ضرورة (علم ضروری) او دلیل فلیس بغیب" تحقیق غیب وہ ہے جو حواس اور علم ضروری (وحی، الہام یا القاء) اور علم استدلالی یعنی علامات (قرائن) اور دلائل سے چھپا ہوا ہو یعنی ان چیزوں سے معلوم نہ ہو سکے اور تحقیق اللہ تعالیٰ کے سوا دوسروں کے لیے علم غیب کی قرآن میں نفی کی گئی ہے پس جو کوئی دعویٰ کرے علم غیب کے جاننے کا تو وہ کافر ہے اور جو اس کی تصدیق کرے وہ بھی کافر ہے اور بہر حال جو چھپی ہوئی چیز حواس سے معلوم کی جائے یا علم ضروری وحی یا علاقہ (علامت) سے معلوم کی جائے یا کسی قرینہ اور دلیل سے معلوم کی جائے وہ غیب نہیں ہے۔(نبراس شرح عقائد نسفیہ ص 343)

نوٹ: ان عبارتوں سے معلوم ہوا کہ جو چیز حواس خمسہ سے معلوم کی جائے وہ غیب نہیں، اور جو چیز عقل سے معلوم کی جائے وہ بھی غیب نہیں، اور جو چیز کسی قرینہ یا دلیل سے معلوم کی جائے وہ بھی غیب نہیں، اور جو چیز علم ضروری یعنی وحی، الہام یا القاء سے معلوم ہو وہ بھی غیب نہیں، اور جو چیز کسی آلہ سے معلوم کی جائے وہ بھی غیب نہیں ہے۔ اس غیب کی تعریف سمجھنے کے بعد اگر کوئی مخلوق میں سے کسی کو عالم الغیب ثابت کرنا چاہتا ہے تو اس پر لازم ہو گا کہ اپنا عقیدہ ثابت کرنے کے لیے مذکورہ چیزوں مثلاً حواس، وحی، الہام، القاء اور عقل سے معلوم کرنے کے علاوہ کسی کو عالم الغیب ثابت کرے۔

اگر مذکورہ چیزوں میں سے کسی ایک چیزے کے ذریعے سے بھی اس کو علم حاصل ہوا ہے تو اس کو عالم کہا جائے گا، نہ کہ عالم الغیب

شرائط:

(1) عقیدہ قطعی دلائل سے ثابت کیا جائے گا اگر قرآن کی کسی آیت سے عقیدہ ثابت کرنا ہو تو محکم آیت ہو جس میں کسی دوسرے معنیٰ کا احتمال نہ ہو۔

(2) حدیث ہو تو متواتر ہو کیونکہ ظنی دلیل سے قطعی عقیدہ ثابت نہیں ہو گا۔

(3) جس کے لیے عالم الغیب ہونا ثابت کرے گا تو اس کی تاریخ سال، وقت اور مقام بھی متعین کرے گا کہ فلاں تاریخ، فلاں سال، فلاں وقت اور فلاں مقام پر وہ عالم الغیب بنایا گیا تاکہ جیسا دعویٰ ہو تو دلیل بھی دعویٰ کے مطابق بیان کی جائے۔

[Website: DifaAhleSunnat.com]

موضوع بشریت رسول ﷺ اور نورانیت

اگر رسول اللہ ﷺ کی بشریت اور نورانیت کا موضوع ہو تو اس کے سمجھنے کا طریقہ یہ ہے کہ جو مناظر آپ ﷺ کی حقیقی جنس بشریت کا انکار کرتا ہے تو اس سے اس کا اپنا عقیدہ تحریر کرایا جائے کہ رسول اللہ ﷺ کی حقیقی جنس کے متعلق اس کا کیا عقیدہ ہے؟ اگر وہ کہتا ہے کہ آپ کی حقیقی جنس تو نور ہے لیکن صرف ظاہری صورت میں بشریت کا لباس پہن کر ہمیں سمجھانے کے لیے آئے تھے تو سب سے اول اس عقیدے کا ثبوت اس کے ذمہ ہو گا اور دوسری بات یہ کہ جب آپ حقیقی جنس بشر نہیں تھے بلکہ امت کو تبلیغ کرنے کے لیے ظاہری بشری صورت کا لباس پہنا کر بھیجے گئے تو اب جبکہ آپ اس تبلیغ کے کام سے بھی فارغ ہو چکے ہیں تو اس وقت آپ اپنے روضہ اقدس میں اپنی اصلی جنس نور کی صورت میں موجود ہیں یا اب بھی اس ظاہری بشری صورت میں جلوہ افروز ہیں اور پھر روز محشر آپ حقیقی جنس نور کی صورت میں اٹھائے جائیں گے یا دنیا کی طرح ظاہری بشری صورت کا مصنوعی لباس میں شفاعت کبری کا اعزاز حاصل کریں گے، اسی طرح جنت الفردوس میں آپ ﷺ (بقول آپ کے) حقیقی جنس نور کی صورت میں رہائش پزیر ہوں گے یا سب سے اعلیٰ جنت میں بھی آپ ظاہری بشری صورت کا لباس پہن کر صرف بظاہر اپنی ازواج مطہرات اور دیگر جنت کی نعمتوں مطعومات و مشربات اور ملبوسات کو استعمال کرتے رہیں گے۔

ہمارا عقیدہ:

ہمارا عقیدہ ہے کہ حضرت محمد مصطفی ﷺ حضرت آدمؑ کی اولاد میں سے حقیقی جنس بشر ہیں۔ لیکن جس طرح تمام لوگ عادات میں، اخلاق میں طبیعت میں، علم میں، حلم میں، عقل میں، فہم و فراست میں، شان و مان مرتبت میں ایک دوسرے کے برابر نہیں ہیں تو اسی طرح ہمارے آقا مصطفی کریم ﷺ ان تمام خوبیوں میں سب سے افضل و اعلی اور برتر و بالا ہونے کی وجہ سے اعلیٰ قسم کے بشر ہیں اور جس طرح آپ کے القاب میں سے مدثر، مزمل، طہ، یاسین لقب ہیں اسی طرح نور بھی آپ ﷺ کا لقب ہے۔

موضوع مختار کل:

اگر کسی سے مختار کل کے موضوع پر بات کرنا ہو تو اس کے لیے طریقہ یہ ہے۔

(1) مخلوق میں سے کسی کو مختار کل ماننے والا خود بتائے گا کہ وہ کسی کو اپنی ذات یا دوسروں کے لیے مختار کل مانتا ہے تو کس اعتبار سے " ماتحت الاسباب " معاملات کے اعتبار سے یا " مافوق الاسباب " معاملات کے اعتبار سے؟

[Website: DifaAhleSunnat.com]

(2) وہ کب سے مختار کل ہے عالم ارواح سے یا دنیا میں آنے کے بعد یا نبوت اور رسالت یا ولایت ملنے کے بعد مختار کل ہوا ہے ؟

(3) کیا اس کو ہر ایک فرد کی قسمت بنانے اور بگاڑنے کا اختیار ہے، ہر ایک کی عزت وذلت کا اختیار ہے اور ہر ایک کی خوشحالی اور تنگ دستی کا اختیار ہے اور ہر ایک کی بیماری اور تندرستی کا اختیار ہے اور ہر ایک کو اولاد دینے نہ دینے کا اختیار ہے اور ہر ایک کو خوشی اور غمی دینے کا اختیار ہے، یا مذکورہ تمام چیزوں کا اس کو خود اپنی ذات کے لیے اختیار ہے ؟

اگر کسی کا مخلوق میں سے کسی کے لیے ایسا عقیدہ ہے تو اسے نص قطعی یعنی کسی محکم آیت یا کسی متواتر حدیث سے اپنا عقیدہ ثابت کرنا لازم ہو گا۔

موضوع حاضر وناظر:

اگر کسی سے حاضر وناظر کے موضوع پر بات کرنا ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے۔

(1) جو کوئی مخلوق میں سے کسی کے لیے ہر وقت ہر جگہ حاضر وناظر کا عقیدہ رکھتا ہے تو اس کا نام لکھ کر متعین کرے۔

(2) اس کے ہر وقت، ہر جگہ حاضر وناظر ہونے کا وقت، تاریخ سال اور مقام متعین کرے، مثلاً عالم ارواح میں یا عالم دنیا میں آنے کے بعد یا نبوت، رسالت ولایت ملنے کے بعد وہ شخصیت حاضر وناظر ہے۔

(3) اس کا حاضر وناظر ہونا ہر دور میں صرف روحانی طور پر ہے یا روح اور جسم کے ساتھ ہے یا اس کا حاضر وناظر ہونا کبھی روحانی طور پر اور کبھی روح اور جسم دونوں کے طور پر ہوتا ہے پھر اس کے متعلق دلیل پیش کرے گا۔

غیر مقلدین کے ساتھ بات کرنے کا اصول

غیر مقلدین سے ان کے مسلک ومذہب کو سمجھنے کے لیے خود ان سے ان کے مذہب کی وضاحت کرائی جائے گی۔ کوئی غیر مقلد محقق عالم جب اپنے مذہب کی وضاحت کرے گا تو اس وضاحت سے ایک دائرہ بن جائے گا، پھر اس دائرہ میں رہ کر ہی بات کی جائے گی کیونکہ ہر ایک غیر مقلد اپنے آپ کو محقق سمجھتا ہے، ممکن ہے کہ ہر غیر مقلد اپنی تحقیق کے مطابق وہ دائرہ جدا جدا بنائے اس لیے ہم بھی ہر غیر مقلد محقق سے جدا جدا اپنا دائرہ تحریر کروائیں گے۔

اس دائرہ کے لیے چند سوالات،،،،

(1) آپکی جماعت کا بانی کون ہے ؟(2) آپکی جماعت کا اصول کیا ہے جس اصول میں رہ کر کوئی دینی مسئلہ مانتے ہو اور دوسروں کو ماننے کی دعوت دیتے ہو؟(3) سنت کی تعریف کیاہے یعنی سنت کسی کو کہتے ہیں؟(4) سنت پر عمل کرنالازمی ہے یاجائز؟

(5) اگر کوئی سنت پر عمل نہ کرے تواس کے لیے کیاحکم ہے؟کافر یاگناہ گار مسلمان؟(6) جو شخص سنت پر عمل بھی نہ کرے، اور سنت پر عمل نہ کرنے کو گناہ بھی نہیں سمجھے، تواس کے لیے کیاحکم ہے؟ (7) کسی بھی معتمد علیہ شخصیت کی اجتہادی رائے کو ماننا جائز ہے یاحرام؟ان سوالوں ک جواب سے ایک دائرہ بن جائے گا پھر اس دائرہ میں رہ کر بات کی جائے گی اگر کوئی غیر مقلد اپنے بتائے ہوئے اصولوں پر رہ کر اپنے عقائد واعمال کو صحیح اور ہم اہل سنت والجماعت کے عقائد واعمال کو غلط ثابت کرے گا تو ہم اس کی بات ان شاء اللہ ماننے کے لیے تیار ہیں۔

موضوع تقلید:

اگر تقلید کے موضوع پر گفتگو کرنی ہو تو سب سے پہلے تقلید کی تعریف پر متفق ہونا ضروری ہے، اس لیے غیر مقلد سے تقلید کی تعریف تحریر کرائی جائے گی تاکہ معلوم ہو کہ غیر مقلدین کے نزدیک تقلید کیا ہے جس کو وہ حرام اور شرک کہتے ہیں۔ یہ بات مشاہدہ میں آئی ہے کہ اپنے آپ کو محقق سمجھنے والے اس دور (2024) کے غیر مقلد قرآن اور حدیث کے علاوہ اجماع اور قیاس کو بھی شرعی دلیل کہتے ہیں اور اجتہاد اور قیاس کے ذریعہ سے مجتہدین کے استنباط کیے ہوئے مسائل کو ماننا جائز کہتے ہیں لیکن اس طرح کے ماننے کو بجائے تقلید کے اتباع کا نام دیتے ہیں اس لیے ضروری ہے کہ وہ خود تقلید کو واضح کریں جس کو وہ شرک یا حرام کہتے ہیں۔

فاتحہ خلف الامام:

غیر مقلد محقق بتائے کہ جو شخص امام کے پیچھے حقیقتا (زبان سے) سورۃ فاتحہ نہیں پڑھتا تو کیا اس کی نماز قطعاً نہیں ہو گی؟ اور اس پر ایسی نماز کا لوٹانا لازمی ہو گا؟ اور اگر نماز نہ لوٹائے تو بے نمازی تارک الصلوۃ سمجھا جائے گا؟ اور اس قسم کا تارک الصلوۃ تمہارے نزدیک کافر ہے یا مسلمان؟

ہمارے ہاں ہر نمازی کو ہر سجدہ ور کوع والی نماز کی ہر رکعت میں سورہ فاتحہ حقیقتاً یا حکماً پڑھنا واجب ہے۔

حقیقتاً کا مطلب یہ ہے کہ زبان سے پڑھے اور حکماً کا مطلب یہ ہے کہ پڑھنے والا صرف امام ہو اور مقتدی اس کی موافقت کی نیت سے

اس کے ساتھ ہو تو مقتدی کا یہ حکماً پڑھنا ہو گا اور موافقت کا طریقہ یہ ہے کہ امام کا پڑھنا سنے تو آخر میں آمین کہے اور اگر نہیں سن سکتا تو اس کی موافقت کی نیت ہی کافی ہے۔ جیسا کہ کوئی وفد کسی حاکم کے پاس کوئی مطالبہ لے کر جاتا ہے تو ادھر متکلم صرف ایک ہوتا ہے، اور دوسرے حضرات وہی مطالبہ دل میں رکھے ہوئے اس متکلم کا ساتھی بن کر بظاہر خاموش بیٹھے ہوئے نظر آتے ہیں لیکن حاکم بخوبی سمجھتا ہے کہ تمام لوگوں کا وہی مطالبہ ہے جو اس متکلم نے بتایا ہے، اگر حاکم کو وہ مطالبہ پورا کرنا ہوتا ہے تو وہ کہتا ہے کہ اتنے سارے لوگ مجتمع ہو کر میرے پاس آئے ہو میں آپ سب لوگوں کا یہ مطالبہ پورا کروں گا اور اس کی مثال قرآن مجید میں موسیٰ عہ کی دعا ذکر کر کے سورہ یونس آیت 88 میں بیان فرمائی ہے۔

عبارات پر بات کرنے کا طریقہ:

اگر کوئی عباراتِ اکابر پر بات کرنے پر بضد ہو تو اس کا طریقہ یہ ہے کہ جس طرح آیات متشابھات ہیں یا جس طرح بعض آیات کے درمیان محذوف الفاظ نکالے جاتے ہیں تا کہ اسی آیت کا دوسری آیات سے ملا کر صحیح مفہوم لیا جائے اور جس طرح بعض روایات میں تاؤیل کر کے قرآن کی محکم آیات کے مطابق مطلب ملانے کی کوشش کی جاتی ہے تا کہ کسی روایت کا قرآن کی کسی آیت سے بظاہر جو ٹکر سمجھا جاتا ہے وہ صحیح طریقہ سے حل ہو جائے اور جس طرح کسی آیت کریمہ یا کسی روایت کا کبھی حقیقی معنیٰ اور کبھی مجازی معنیٰ لے کر مسئلہ حل کیا جاتا ہے تو اسی طرح ہر زبان میں بھی ایسے الفاظ ہوتے ہیں جن سے بھی کبھی حقیقی معنیٰ لیا جاتا ہے اور کبھی مجازی معنیٰ لیا جاتا ہے اور کبھی ان میں محذوف نکال کر بات کی وضاحت کی جاتی ہے۔

مثلاً کسی امیر کے ساتھ جماعت سفر میں تھی امیر نے فرمایا بھائی نماز کا وقت ہوا ہے پس جس کو وضو نہیں ہے وہ نہ کرے اور جس کو ہے وہ کرے تو بظاہر اس میں ہے کہ بے وضوء شخص وضو نہ کرے اور باوضوء شخص وضو کرے لیکن اس میں اگر محذوف مانا جائے تو پھر اس طرح ہو گا کہ جس کو وضو کرنا نہیں ہے وہ نہ کرے اور جس کو کرنا ہے وہ کرے اور شریعت کا جاننے والا اسی طرح ہی سمجھے گا کہ امیر کے کہنے کا مطلب یہی ہے تو اسی طرح کسی عالم دین کے اقوال یا تحریر کا سمجھنا بھی اس طریقہ پر ہو گا کہ یا تو وہ اپنی کسی تحریر یا قول کا مطلب خود بیان کرے یا اس بزرگ کی پوری زندگی جو دین کی خدمت میں گذری ہے اس پر نظر کر کے اس کے اقوال میں

[Website: DifaAhleSunnat.com]

محذوف نکال کر اس کا صحیح مطلب نکالا جائے گا لیکن جو مخالف ہے وہ اس طرح کے اصولی طریقہ کو ماننے کے لیے تیار ہی نہیں ہوتا، تو ایسے ضدی سے بات کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ اس سے کہا جائے کہ طرفین کے اکابر کی عبارات پر بات ہو گی پھر اس سے کہا جائے کہ پہلے ہم آپ کے اکابر کی مثلاً پانچ عبارتیں پیش کریں گے جن میں یا تو گستاخی ہے یا تو شرکیہ عقیدہ ہے پہلے آپ اپنے اکابر کی قرآن و سنت کے مطابق توجیہ و تاؑویل کریں گے اور اپنے آپ کو اور اپنے اکابر کو گستاخی اور شرکیہ و کفریہ فتویٰ سے بچائیں گے تو پھر آپ کو موقع دیا جائے گا کہ آپ بھی ہم سے ہمارے اکابر کی عبارات جن میں آپ کو کوئی گستاخی یا کفریہ نظریہ کا شبہ ہوتا ہے، پیش کریں گے، تو پھر ہم ان عبارات کی قرآن و سنت کے مطابق توجیہ و تاؑویل کر کے صحیح مطلب بیان کریں گے۔

برابر ہیکہ ہماری پیش کی ہوئی پانچ عبارتوں کا صحیح جواب دینے کے بعد وہ پانچ عبارات کے بجائے دس یا بیس یا کتنی ہی عبارات پیش کرے، تو ہم ان شاء اللہ الرحمن اسکو ان عبارتوں کا اسی ہی اصول سے جواب دیں گے جس اصول سے وہ اپنے اکابرین کی عبارتوں کا جواب دیگا، تو اسطرح مسئلہ بآسانی حل ہو جائے گا، کیوں کہ پہلے تو وہ آپ کی تاؑویل و توجیہ کتنی ہی صحیح و معقول ہو پھر بھی نہیں مانے گا، اور اس کی بس ایک ہی رٹ ہو گی کہ یہ گستائی ہے یا کفر ہے، لیکن جب وہ اپنے اکابر کی عبارات کی خود تاؑویل و توجیہ کرنے پر مجبور ہو گا تو پھر اس کو دوسرے کی بھی تاؑویل یا توجیہ ماننے پر خود اس کا ضمیر ہی اسے مجبور کرے گا اور مسئلہ ضد سے نکل کر صحیح لائن پر آجائے گا اور بآسانی حل ہو جائے گا۔

اللہ تعالی سے دعا ہیکہ وہ اپنی رحمت اور مہربانی سے اس حقیر کاوش کو تمام انسانوں کی ہدایت کا ذریعہ بنائے اور اسلام کے صحیح سمجھنے کی توفیق عطاء فرمائے اور ہماری اس حقیر کوشش کو اپنی بارگاہ میں مقبول و منظور فرمائے اور اس کو ہماری بخشش اور نجات کا ذریعہ بنائے۔ آمین ثم آمین

ازافادات: مناظرِ اسلام استاد محترم حضرت مولانا علامہ علی شیر رحمانی صاحب

کمپوزنگ: العبد المذنب مسرور احمد رحمانی

watsap 03121374691